محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلے اسے پڑھیئے

آج سے ۲۵ سال پیشتر جب میری ادارت میں کلکتہ سے ماہنامہ جام نور نکلتا تھا۔ اسی موقعہ پر "خورشید رسالت نمبر" کے نام سے میں نے ایک ضخیم نمبر نکالا تھا۔ اس میں "محمد رسول اللہ قرآن میں" کے عنوان سے میرا ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ یہ توقع تو مجھے بجا طور پر تھی کہ عاشقانِ رسول کے حلقے میں میرا یہ مضمون بہت پسند کیا جائے گا۔ لیکن اس کی توقع مجھے بالکل نہیں تھی کہ اہلِ علم اس مضمون کے ساتھ اس درجہ اعتنا کریں گے کہ دلائل سے مزین کرنے کے لیے اس پر حواشی لکھیں گے۔

ان قدر دانوں میں لاہور کے تاج الافاضل حضرت علامہ مفتی غلام محمد شرر دامت برکاتہم کا حاشیہ مجھے بہت زیادہ پسند آیا جو اس کتاب کے ساتھ منسلک ہے۔ حضرت موصوف کا میں صمیم قلب کے ساتھ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے حاشیہ لکھ کر میری کتاب کی افادیت بڑھادی۔

اس کتاب کے بارے میں ایک فاضل جلیل کا تبصرہ میرے دل کے نہاں خانے میں اب تک محفوظ ہے کہ "مصنف نے قرآن کے ساتھ ساتھ صاحبِ قرآن کو بھی دلوں میں اتار دیا ہے۔ حدیثوں میں تو ضعیف کہہ کر جان بچانے کی عیاری چل جاتی ہے لیکن قرآن کے متعلق اس طرح کا کوئی فریب نہیں چل سکتا۔"

اب اس بار نئے اضافے کے ساتھ یہ کتاب مکتبۂ جام نور کے منتظمین شائع

کررہے ہیں[1]۔ مجھے امید ہے کہ شائقین اسلام اور عاشقانِ رسول اس کتاب کو پڑھتے ہوئے ایک نئی لذت محسوس کریں گے۔

ارشد القادری

۳ر فروری ۱۹۸۸ء

---

[1] اب یہ کتاب علامہ ارشد القادری کی اجازت سے فرید بک سٹال لاہور کی طرف سے شائع کی جا رہی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَحِزْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ ○

کوئی کھلا ہوا کافر اگر رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان کا منکر ہو تو یہ چنداں تعجب خیز امر نہیں ہے کہ وہ بیگانہ محض ہے۔ کلمۂ اسلام کے ساتھ اس کا رشتہ ہی کیا ہے کہ وہ پیغمبر اسلام کا احترام بجا لائے گا۔

لیکن وقت کا سب سے بڑا ماتم تو یہ ہے کہ ایک گروہ جو اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتا ہے مسلم معاشرہ کے ساتھ مذہبی اشتراک کا بھی مدعی ہے۔ مگر دل کا غیظ اور زبان کی جسارت یہ ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک نامہ بر ہیں۔ خدا کی جناب میں ان کی حیثیت ایک پیغام رساں سے زیادہ نہیں ہے۔ وہ ہماری طرح بشر ہیں بالکل ایک معمولی بشر! ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگوں کے تئیں یہ اندازِ فکر بہت زیادہ معیوب نہ ہو لیکن حقیقت سے زیادہ قریب ہو کر سوچیے تو انسانی تخیل کی یہی وہ منحوس سرزمین ہے جہاں سے علمی اور اعتقادی مفاسد کے بے شمار کانٹوں نے جنم لیا ہے۔

چونکہ اس وقت میرا موضوعِ بحث یہ مسئلہ نہیں ہے ورنہ تفصیل کے ساتھ میں اس امر پر روشنی ڈالتا کہ اس طرح کے ذہن سے اسلامی روح کی توانائی کو کتنا شدید نقصان

پہنچا ہے۔ مجھے تو آج صرف یہ مسئلہ واضح کرنا ہے کہ ربّ العزت کی جناب میں اس کے رسول کی قرار واقعی حیثیت کیا ہے؟

یہ معلوم کرنا بندے کی حدود و اختیار سے باہر کی چیز ہے۔ یہ تو صرف ربّ العزت ہی جانتا ہے اور وہی بتا سکتا ہے کہ اس کے دربار میں اس کے رسول کی کیا شان ہے؟

خدا کا شکر ہے کہ اس کی زندہ و تابندہ کتاب قرآن مجید بالکل اصل حالت میں آج بھی ہمارے درمیان موجود ہے۔ اسی آئینے میں اس حقیقت کا سراغ لگایا جا سکتا ہے کہ خدا کے تئیں اس کے رسول کی کیا شان ہے۔

جو لوگ اپنے ذہن کی فرضی بنیادوں پر منصب رسالت کی حد بندی کرتے ہیں وہ ذرا انصاف نظر کے ساتھ ذیل کی آیتوں میں قرآن کا تیور ملاحظہ فرمائیں اور ان کے مواقع نزول کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں کہ بات بات پر جس کی عظمت شان کا اس درجہ اہتمام کیا جا رہا ہے کیا محبوب کے علاوہ بھی یہ اعزاز کسی "نامہ بر" کو آج تک مل سکا ہے؟

میں نے ذیل کے مضمون کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ پہلے شان نزول، اس کے بعد آیت اور پھر حسب ضرورت اس کی مختصر تشریح، اور نتیجہ نکالنے کی تمام تر ذمہ داری آپ کے ضمیر کو سونپ دی ہے۔ کیونکہ اچھے ضمیر سے کسی بد دیانتی کا حادثہ مشکل ہی سے واقع ہوتا ہے۔

پہلی آیت کریمہ

شان نزول ——— تفسیر کی کتابوں میں منقول ہے کہ زمانۂ رسالت کے آغاز میں بمصلحت ایزدی ایسا اتفاق پیش آیا کہ چند دنوں تک نزول وحی کا سلسلہ رُک گیا۔ کفار مکہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے ازراہِ طعن یہ کہنا شروع کر دیا

وَدَّعَ رَبُّ مُحَمَّدٍ مُحَمَّدًا محمد کے رب نے محمد کو چھوڑ دیا اور ان کی طرف سے نظر پھیر لی۔ کفار کی اس بدگوئی سے سرکار کے قلب مبارک کو صدمہ پہنچا اور حضور اُداس رہنے لگے۔

رحمتِ یزدانی سے اپنے محبوب کی یہ اُداسی دیکھی نہ گئی۔ خاطرِ اقدس کی تشفی کے لیے فوراً ہی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(تفسیر خزائن العرفان، خازن، ابن جریر)

وَالضُّحٰى ۙ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ؕ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ؕ

قسم ہے چڑھتے دن کی۔ قسم ہے رات کی جب پوری طرح چھا جائے کہ آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا۔ اور نہ وہ ناراض ہوا۔ یقیناً آپ کی دہرا آنے والی گھڑی آپ کے لیے پہلی گھڑی سے بہتر ہے اور بلاشبہ آپ کا رب آپ کو عنقریب اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

تشریح ان آیتوں میں خاص طور سے جو چیز قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ محبوب خاموش ہیں اور دشمن کے طعن کا جواب رب ذوالجلال دے رہا ہے۔ یگانگت و پاسداری کا یہ حقیقت افروز تعلق کیا کسی نامہ بر کے ساتھ بھی دیکھا گیا ہے۔

بعض علمائے تفسیر فرماتے ہیں کہ اس سورتِ پاک میں چڑھتے دن سے مراد محبوب کا عارضِ تاباں ہے اور شب تاریک سے اشارہ محبوب کے گیسوئے عنبریں کی طرف ہے گویا مدعائے کلام یہ ہے کہ محبوب! ذرا اپنے رُخِ روشن پر زلفیں بکھیر کر دیکھیے کہ کیا ایسا پیکر جمیل بھی کراہت و انقطاع کے قابل ہو سکتا ہے۔

کون کہتا ہے کہ ہم تم میں جدائی ہوگی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

دوسری آیت کریمہ

شان نزول ـــــ کہتے ہیں کہ دنیائے کفر کے مشہور گستاخ ولید ابن مغیرہ نے ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ○

اے وہ شخص کہ جس پر قرآن اتارا گیا ہے تو مجنوں و دیوانہ ہے

بس اتنا کہنا تھا کہ قہر الٰہی کا بادل کڑکا، بجلی چمکی اور غیظ و جلال میں ڈوبی ہوئی یہ آیتیں ولید ابن مغیرہ کی مذمت میں نازل ہوئیں۔

(تفسیر خزائن العرفان۔ ابن جریر)

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ○ مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ○ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ○ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ○ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ ○ بِأَيِّكُمُ الْمَفْتُونُ ○

"قسم ہے قلم کی اور اس کے نوشتوں کی کہ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں اور یقیناً آپ کے لیے بے پایاں اجر و ثواب ہے اور بلاشبہ آپ کی خو بڑی شان کی ہے پس عنقریب آپ بھی ملاحظہ فرمائیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ دیوانہ کون ہے۔"

اب گستاخ کی مذمت میں ذرا قرآن کے یہ الفاظ گنیے اور اندازہ لگائیے کہ محبوب کے دشمن کے ساتھ قرآن کی گفتار کا تیور کتنا غضب ناک ہو گیا ہے۔ وہ آیتیں

یہ ہیں:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَهِينٍ ○ هَمَّازٍ مَشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ○ مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ○ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ○ أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ○ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ○ سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ ○

(اے محبوب) آپ کسی بھی ایسے شخص کی بات مت سنیے جو بڑا قسمیں کھانے والا، ذلیل، بہت بڑا طعنہ باز، بہت بڑا چغلخور، بھلائی سے بہت زیادہ روکنے والا، حد سے گزرا ہوا، گنہگار، درشت خو، اور سب پر طرہ یہ کہ ولد الحرام ہے اور مزید براں یہ کہ مال و اولاد والا ہے۔ جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ اگلوں کے قصے ہیں عنقریب ہم اس کی سؤر جیسی تھوتھنی پر داغ دیں گے۔

ایک انتہائی عبرت ناک واقعہ

منقول ہے کہ ولید ابن مغیرہ کے حق میں جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو عالم غیظ میں وہ تلملا اٹھا اور اپنی ماں سے جا کر دریافت کیا۔

ابھی ابھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے متعلق دس باتیں بیان فرمائی ہیں اپنی نو برائیوں کے بارے میں تو میں خوب جانتا ہوں کہ وہ میرے اندر موجود ہیں۔ لیکن دسویں بات کہ میری اصل میں بھی فرق ہے۔ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ ویسے ہزار دشمنی کے باوجود مجھے اس کا یقین و اعتراف ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات غلط نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اب سچ سچ بتادے کہ حقیقت حال کیا ہے۔ ورنہ میں

تیرا سر قلم کر دوں گا۔

تیور دیکھ کر اس کی ماں نے صاف صاف بتا دیا کہ تیرا باپ نامرد تھا۔ اس لیے ایک چرواہے کے ساتھ میرا ناجائز تعلق ہو گیا اور اس کے نتیجہ میں تیری پیدائش عمل میں آئی۔ ؎۱

تشریح

حالتِ غیظ میں جب انسان اپنے کسی دشمن کے عیوب کا پردہ چاک کرتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ نفسانی ہیجان کا ردِ عمل ہے۔ لیکن یہاں کیا کہیے گا؟ یہ کلام تو اس پاک و مقدس خداوند کا ہے جس کی ذات شوائب نفسانی سے بالکل پاک و منزہ ہے۔

اس لیے لامحالہ ماننا پڑے گا کہ وہ ستار العیوب جو اپنے بڑے سے بڑے بدکار بندے کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔ اس نے پیغمبر کے ایک گستاخ کو سارے جہاں میں رسوا کر کے یہ ظاہر فرما دیا ہے کہ جس معصوم و محترم نبی کے گستاخ کے لیے اس کے یہاں کسی عفو و درگزر کی گنجائش نہیں ہے اس کی حیثیت نامہ بر کی نہیں ہے، محبوب ذی وقار کی ہے۔ یہاں بھی وہی ادائے رحمت جلوہ گر ہے کہ گستاخ نے نشانہ بنایا ہے ذات رسول کو جواب دے رہا ہے ان کا رب کریم۔ محبوب خاموش ہے، قرآن اس کی وکالت فرما رہا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی بدنصیب کہہ سکتا ہے کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ایک خبر رساں کی ہے۔ بلکہ ایک ایسے محبوب کی ہے جو خدا کی محبت کے گہوارے میں پلا۔ اسی کی رحمتوں نے اسے ساری کائنات کی آقری بخشی اور اسے خالق و مخلوق اور عابد و معبود کے درمیان رابطہ کا ایک ذریعہ بنایا۔ اس لیے اس کی حیثیت صرف

؎۱ چنانچہ تفسیر روح البیان میں تفسیر امام زاہدی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو جلد ۲۹ صہ ۱۱۲)

ایک نامہ بر کی نہیں ہے بلکہ نامہ کے اسرار و رموز سے باخبر کرنے والے کی ہے۔

تیسری آیت کریمہ

شانِ نزول ——— بیان کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ذکور میں سے آخری فرزند دلبند حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کا جب وصال ہوا تو کفار مکہ نے طعنہ دیا کہ آپ ابتر ہو گئے۔ یعنی اب آپ کی نسل منقطع ہو گئی۔ نسبی یادگار کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ ؎۱

لختِ جگر کی وفات کا صدمہ ہی کیا کم تھا کہ دشمنوں کے اس طعنہ سے اور بھی غم کی چوٹ ابھر آئی۔ قلب نازک کو غیر معمولی اذیت پہنچی اور آپ اداس اور ملول رہنے لگے چند لمحے کا اضطراب بھی دریائے رحمت کے لیے تلاطم سے کم نہیں تھا۔ خدائے کردگار نے اپنے محبوب کی تسکین و تشفی کے لیے فوراً یہ سورت نازل فرمائی۔

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝

(اے محبوب) بیشک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا۔ پس اپنے رب کے

؎۱ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی اور ایک یہ کہ مشرکین مکہ نے آپس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق طعنہ زنی کی مگر جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ عاص بن وائل نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ نازیبا لفظ استعمال کیا تو اس شخص کی مذمت میں یہ سورت نازل ہوئی۔

(ملاحظہ ہو تفسیر روح المعانی جلد ۳۰ صہ ۲۴۸)

لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے۔ یقیناً آپ کا دشمن ہی ابتر ہے۔"

تشریح

غور فرمایئے! دنیا میں کسے اپنی اولاد کی جدائی کا صدمہ نہیں اٹھانا پڑتا۔ دشمن کے طنز سے کس کا سینہ گھائل نہیں ہوتا۔ لیکن کیا دنیا میں اس کی بھی مثال موجود ہے کہ دشمن کے طنز کا جواب دینے کے لیے خدائے کائنات نے خود کسی کی وکالت فرمائی ہو اور بھیگی ہوئی پلکوں کے آنسو خشک کرنے کے لیے حضرت روح الامین قرآن لے کر اترے ہوں۔

مشیت الٰہی کا یہ منفرد اور نرالا انداز واضح طور پر اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ جس کے ساتھ یہ معاملہ کیا جا رہا ہے وہ خود بھی اپنی شان میں نرالا اور منفرد ہے۔

ایک نکتہ:

اس سورت پاک میں کوثر کے لفظ سے دو معنی مراد لیے گئے ہیں: "حوض کوثر" جو جنت میں سرد و شیریں اور شفاف نہر ہے کہتے ہیں کہ یہ نہر جنت کے تمام قصور و محلات سے گزرتی ہوئی لامحدود وسعتوں میں پھیل جاتی ہے۔ اس تفسیر پر آیت کا مفاد یہ ہوگا کہ اے محبوب! آپ اپنے فرزند کی وفات پر کیوں اداس و غمزدہ ہیں۔ ہم نے تو آپ کو وہ گھر ہی عطا فرما دیا ہے۔ جہاں اب ان کا ٹھکانہ ہے۔ وہ بھی آپ ہی کی ملکیت ہے۔ جب دونوں گھر آپ ہی کے ہیں تو صرف گھر کی تبدیلی پر صدمہ کیسا؟ کل تک وہ اس گھر میں تھے آج اس گھر میں ہیں وہ آپ کے گھر سے جدا ہی کہاں ہوئے کہ فراق کا صدمہ اٹھایئے۔

دوسرا نکتہ

"کوثر" کے دوسرے معنی ہیں "خیر کثیر"[1] یعنی ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمایا

[1] تفسیر روح المعانی میں ہے۔

"خیر کثیر" کے وسیع مفہوم میں قیامت تک پیدا ہونے والے اُمتِ محمدی کے وہ تمام افراد داخل ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت پر کاربند رہ کر خیر و حسنات کا ذخیرہ جمع کریں گے۔

اس تفسیر پر آیت کا مفاد یہ ہے کہ دشمنوں کے طنز کا ہرگز آپ کوئی اثر نہ لیں۔ جب تک گردش لیل و نہار کا یہ سلسلہ باقی ہے۔ روئے زمین آپ کی روحانی اولاد سے ہمیشہ معمور رہے گی۔ شش جہات میں آپ ہی کے نام کا ڈنکا بجے گا۔ نسبی اولاد اگر اپنے آباؤ اجداد کی تعریف کرے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ خون کا اثر ہے۔ لیکن ایسے کروڑوں افراد کی ثناخوانی جن سے کوئی نسبی تعلق نہیں ہے ان کے اعترافِ کمال کو حقیقت ہی پر مبنی قرار دیا جائے گا۔ راہ چلتا ہوا کوئی اجنبی بلا وجہ کسی کا کلمہ نہیں پڑھ سکتا۔ جب تک کہ حقیقی عظمتوں کا ماتھے کی آنکھ سے نظارہ نہ کرے۔ آپ کی جلالتِ شان کا پرچم بلند کرنے کے لیے آپ کی معنوی اولاد کیا کم ہے کہ نسبی اولاد کی فرقت کا صدمہ اٹھایئے ——— غور فرمایئے! ایک ہی آیت میں دونوں طرح کے غموں کا مداوا کر دیا گیا ہے۔ فرزند ارجمند کی جدائی بھی اب جدائی نہیں رہی اور اس صدمہ کا ازالہ بھی ہو گیا کہ بیٹے کی وفات کے بعد بھی چراغ جلتا رہے گا۔ اور نام کو زندہ رکھنے والے پیدا ہوتے رہیں گے۔

غور فرمایئے ——— محبوب کی خاطر نازک کی تشفی کے لیے اتنا بہت کافی تھا لیکن محبت کا تقاضا اتنے پر ہی تمام نہیں ہو جاتا۔ ابھی گستاخ کو کیفر کردار تک پہنچانا باقی ہے۔

چنانچہ فرمایا جاتا ہے کہ ——— جس گستاخ نے آپ کو بے نام و نشان ہو جانے کا طعنہ دیا ہے سن لیجیے کہ اسی کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ اسی کی نسل منقطع ہو جائے گی۔

یہیں سے محبت کا دستور سمجھ میں آیا کہ محبوب کی عظمت شان کا اعتراف اور ہزار اداؤں کے ساتھ اس کے جلووں کی مدح سرائی جہاں ایک شیوۂ محبت ہے وہاں دشمن کی کھلی ہوئی مذمت اور واضح طور پر اس کی بدگوئی کی تردید بھی محبت ہی کا تقاضا ہے۔

یہاں سے ان لوگوں کی دل کی چوری پوری طرح بے نقاب ہو جاتی ہیں جو ایک طرف تو محبتِ رسول کے مدعی ہیں اور دوسری طرف رسول پاک کے گستاخوں کی مذمت کا کوئی سوال اٹھتا ہے تو ذاتی مفاد کی مصلحت فریفتۂ محبت کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے۔

حالانکہ یہ فطری امر ہے کہ جب کسی کی محبت کسی کے دل میں خوب راسخ ہو جاتی ہے تو محبوب کی خوشنودی کا حصول اس کی روح کا مزاج بن جاتا ہے۔ اور محبت ہی کا تقاضا ہے کہ ہر اس چیز سے محبت کی جائے جس کا محبوب کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ اور ہر اس چیز سے نفرت کی جائے جو محبوب کو ناگوار خاطر ہو۔ خلاصہ یہ کہ محبوب کے دوستوں سے دوستی کی جائے اور محبوب کے دشمنوں سے نفرت! اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو وہ اپنے دعوائے محبت میں جھوٹا ہے [1]

---

[1] تفسیر معالم التنزیل وخازن میں اس سے ملتا جلتا واقعہ بھی مروی ہے۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت میرے سامنے پیش کی گئی اس کی صورت میں جو مٹی سے پیدا ہونا تھی۔ جیسا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کی گئی اور مجھے بتا دیا گیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون میرے ساتھ کفر کرے گا۔ جب منافقوں کو آپ کا یہ ارشاد پہنچا تو وہ ازراہِ استہزاء کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ میں اسے جانتا ہوں جو مجھ پر یقین لائے گا۔ اور اسے بھی جو میرے ساتھ کفر کرے گا۔ ان لوگوں میں سے جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ)

حالانکہ ہم ان کے ساتھ ہیں اور ہمارا انہیں علم نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کی اس بات کی خبر ہوئی اور آپ منبر پر جلوہ گر ہوئے اور حمد الٰہی بجا لائے پھر فرمایا:

مابال اقوام طعنوا فی علمی لا تسألونی عن شئ فیما بینکم وبین الساعة الا انباتکم به۔

یعنی ان لوگوں کا کیا حال ہے جو میرے علم میں طعن کرتے ہیں۔ تم لوگ اب سے قیامت تک ہونے والی جس چیز کے بارے میں مجھ سے پوچھو گے میں بتا کر ہی رہوں گا۔ پس حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کھڑے ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ بتایئے میرا باپ کون ہے۔ فرمایا۔ حذافہ۔ پھر حضرت عمر کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم اللہ کے پروردگار، اسلام کے دین، قرآن کے امام اور آپ کے نبی ہونے پر راضی ہیں ہم سے درگزر فرمائیں اور اللہ آپ سے درگزر فرمائے۔ تو آپ نے فرمایا: فھل انتم منتھون۔ لوگو! کیا تم باز آجاؤ گے؟ یہ کہہ کر منبر سے اترے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر معالم التنزیل و خازن

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب پر طعن اور انکار کرنا منافقوں کا کام ہے اور اسے تسلیم کرنا مومنوں کا جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر تسلیم و رضا کا اظہار کیا۔ یہی مومن کی شان ہے اور اعتراض کرنا منافق کی پہچان ہے

تو دانائے ماکان و مایکون ہے
مگر بے خبر بے خبر دیکھتے ہیں

(اعلیٰ حضرت)

چوتھی آیت کریمہ

شان نزول ـــــــ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ میں تشریف لے گئے۔ اثنائے سفر میں کسی صحابی کا اونٹ گم ہو گیا۔ وہ اپنے عقیدہ کے مطابق سرکار کی خدمت میں حاضر ہو کر فریادی ہوئے اور غیب کی خبر رکھنے والے رسول سے اپنے گم شدہ اونٹ کا پتہ دریافت کیا۔

سرکار دو عالم نے اپنے علم کی روشنی میں فرمایا

"تمہارا اونٹ فلاں وادی میں فلاں مقام پر کھڑا ہے"

وہ صحابی اُلٹے پاؤں سرکار کے بتائے ہوئے مقام پر روانہ ہو گئے۔

اب ادھر کا قصہ سُنیے ـــــــ لشکر میں کچھ منافقین بھی تھے۔ جب انہیں یہ اطلاع ملی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی گم شدہ اونٹ کے بارے میں یہ خبر دی ہے کہ وہ فلاں وادی میں فلاں مقام پر کھڑا ہے تو از راہِ طنز اُنہوں نے آپس میں کہنا شروع کیا وَمَا یُدْرِیْ مُحَمَّدٌ بِالْغَیْبِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) غیب کی بات کیا جانیں (یعنی معاذ اللہ انہوں نے یہ بالکل فرضی خبر دی ہے کہ اونٹ فلاں مقام پر ہے) چھپی ہوئی باتوں کا حال انہیں کیا معلوم ؛ یہ منافقین جب مدینہ پلٹ کر واپس آئے تو بعض صحابہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچائی کہ فلاں فلاں لوگ حضور کے علم غیب کے بارے میں اس طرح کا طنز کر رہے تھے۔

سرکار نے جب انہیں بلا کر دریافت کیا تو ایک دم بدل گئے۔ کہنے لگے کہ ہماری قوم کے چند نو خیز لڑکوں نے یونہی از راہِ مذاق آپس میں اس طرح کی باتیں کی تھیں۔ ویسے در حقیقت ہم لوگ حضور کی غیب دانی کے منکر نہیں ہیں۔ ہمارا بھی وہی عقیدہ ہے جو عام صحابہ

کا ہے۔ اپنی صفائی میں وہ بیان دے ہی رہے تھے کہ حضرت روح الامین قرآن کی یہ آیتیں لے کر اترے۔

قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ ۝

"(اے محبوب) آپ کہہ دیجیے کہ کیا مذاق کرنے کے لیے اللہ اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی رہ گیا ہے۔ باتیں نہ بناؤ۔ ایمان قبول کرنے کے بعد تم کافر و مرتد ہو گئے"

(در منثور)

تشریح : ـــــــ

اللہ اکبر! اپنے محبوب کی حمایت میں ذرا ان آیتوں کا تیور تو دیکھیے تنبیہات کی یہ لگاتار سرزنش لرزا دینے کے لیے کافی ہے۔

پہلی تنبیہ : ـــــــ تو یہ فرمائی گئی کہ رسول کی شان میں کسی طرح کا اہانت آمیز جملہ فقط رسول ہی کا انکار نہیں خدا کا بھی انکار ہے آج جو لوگ توحید خداوندی کا نام نہاد سہارا لے کر اس کے رسول کی تنقیص کرتے ہیں وہ اس گمان میں نہ رہیں کہ یہ تنقیص صرف رسول کی ہی ہے۔ بلا تفریق یہ تنقیص شانِ خداوندی کی بھی ہے۔

دوسری تنبیہ : ـــــــ یہ فرمائی گئی ہے کہ رسول کے بارے میں علم غیب کا عقیدہ کوئی فرضی چیز نہیں ہے کہ اس کا مذاق اڑایا جائے۔

اسلام و ایمان کے دوسرے حقائق کی طرح یہ بھی ایک ایسی مثبت حقیقت ہے جس کا انکار کرتے ہی اسلام و ایمان کے ساتھ کوئی رشتہ باقی نہیں رہ جاتا۔

ل نبوت کے لیے علم غیب لازم ہے کیونکہ نبوت غیب سے مطلع ہونے (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

تیسری تنبیہ: ——— یہ فرمائی گئی کہ رسول کی تنقیص وتوہین بس یہی نہیں ہے کہ معاذ اللہ ان کی شان میں غلط الفاظ استعمال کیے جائیں۔ بلکہ ان کی کسی لازمۂ نبوت فضیلت و کمال کا انکار بھی ان کی تنقیص شان کے لیے کافی ہے۔

چوتھی تنبیہ: ——— یہ فرمائی گئی کہ دنیا میں بڑے سے بڑے گناہ کی معذرت قبول کی جاسکتی ہے۔ لیکن شانِ رسول میں گستاخی کا جملہ استعمال کرنے والوں کی کوئی تاویل نہیں سنی جائے گی [1]

حاشیہ صفحہ سابقہ:

کا نام ہی ہے۔ نبی سے مطلق علم غیب کی نفی کرنا کفر ہے۔ کہ یہ نبوت کو لازم ہے۔ لازم کی نفی اور انکار ملزوم کی نفی وانکار ہے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ان لہ صفة بھا یدرك ما سیکون فی الغیب (زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲) یعنی نبی میں ایک صفت ایسی بھی ہوتی ہے جس سے وہ غیب میں ہونے والی باتوں کو جانتا ہے۔

حاشیہ صفحہ ہذا:

[1] یعنی جو لفظ صریح طور پر گستاخی ہوگا۔ وہاں گستاخی کی کوئی تاویل نہیں سنی جائے گی کیونکہ لفظ صریح تاویل کا قابل نہیں ہوتا۔ چنانچہ خفاجی شرح شفا میں اور انور شاہ کشمیری دیوبندی اکفار الملحدین میں لکھتے ہیں کہ " التاویل فی لفظ صراح لا یقبل " شرح شفا نسیم الریاض ج ۲ ص ۳۴۶ اکفار الملحدین ص ۶۲) اور ضروریاتِ دین میں تاویل کرنے سے کفر سے نہیں بچ سکتا۔ چنانچہ کشمیری صاحب لکھتے ہیں:

والتاویل فی ضروریات الدین لا یدفع الکفر (اکفار ص ۵۹)

لہٰذا گستاخ نبوت کو جس نے صریح گستاخی کی ہے ضرور کافر و مرتد قرار دیا جائے گا۔ اور جو اسے کافر نہ کہے گا وہ بھی کافر قرار پائے گا۔ اور گستاخ نبوت (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

پانچویں تنبیہ ——— یہ فرمائی گئی کہ کلمہ گوئی اور اسلام کی ظاہری نشانیاں توہینِ رسالت کے نتائج واحکام سے کسی کو بچا نہیں سکتیں۔ لاکھ کوئی اپنے آپ کو مسلمان کہتا رہے تنقیص شانِ رسول کے ارتکاب کے بعد اس کے لیے دائرہ اسلام میں اب کوئی گنجائش نہیں [1] ہے۔ تکفیر کے ذریعے اس کے اخراج کا اعلان کر دینا ضروری ہے تاکہ مسلم معاشرہ اس کے نمائشی اسلام سے دھوکہ نہ کھائے۔ اور اس کے ساتھ دینی اشتراک کا کوئی تعلق باقی نہ رکھا جائے۔

حاشیہ صفحہ سابقہ:

کا قتل بھی واجب ہے۔ اسے کوئی معافی نہ دی جائے گی۔ چنانچہ مولانا علی قاری شرح شفا میں اور انور شاہ کشمیری دیوبندی اکفار الملحدین میں لکھتے ہیں:

اجمع العلماء علی ان شاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المنتقص

لہ کافر ومن شك فی کفرہ وعذابہ کفر۔ (اکفار ص ۵۱)

یعنی علماء کا اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ کافر ہے۔ اور جو اس کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ کشمیری صاحب لکھتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لہ ان یعفو عن سابہ ولہ ان یقتل

وقع کلا الامرین واما الامۃ فیجب علیہم قتلہ ص ۵ لا تقبل توبتہ ص ۳

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تھا کہ اپنے گستاخ کو معاف فرما دیں یا قتل کرا دیں۔ اور یہ دونوں باتیں واقع ہوئیں اور امت پر بہر حال گستاخ نبوت کا قتل واجب ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ (اکفار) (انور شاہ کشمیری)

حاشیہ صفحہ ہذا:

[1] اسی کی تائید انور شاہ کشمیری کی زبانی سنیے فرماتے ہیں: (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

پانچویں آیتِ کریمہ

شانِ نزول ——— بیان کرتے ہیں کہ سرکارِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا!

مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ"

جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی!

اس جملے پر یہودی مذہب کے لوگ بہت زیادہ جِز بِز ہوئے ان کے درمیان آپس میں یہ چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں کہ آپ خدائی کا منصب لینا چاہتے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ اب خدا کی طرح ان کی بھی پرستش کی جائے۔ یہودیوں کے اس طعن کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ہ

"جس نے رسول کی اطاعت کی یقیناً اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور

(حاشیہ صفحہ سابقہ)

لاخلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الاسلام وان کان من اھل القبلۃ المواظب طول عمرہ علی الطاعات ۔ (اکفار الملحدین ص۲)

یعنی ضروریات اسلام کی مخالفت اور خلاف ورزی کرنے والے کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں اگرچہ وہ قبلہ کو منہ کر کے نمازیں پڑھیں اور اگرچہ عمر بھر ہمیشہ طاعات و عبادات بجا لاتا رہے اس کی کوئی پروا نہ کی جائے گی۔ (فقیر قادری)

جس نے آپ کی اطاعت سے گریز کیا تو سُن لیجئے کہ اُس پر آپ کا کوئی ذمہ نہیں۔

تشریح اس آیت میں پروردگارِ عالم نے برملا یہودیوں کے اس خیال کی تردید فرمائی کہ اطاعت اور عبادت دونوں ایک ہی چیز ہیں ——— اطاعت چاہنے والے پر یہ الزام رکھنا کہ وہ اپنی پرستش کرانا چاہتا ہے، کھلا ہوا بہتان اور قلب و ذہن کی واضح ترین شقاوت و گمراہی ہے۔

یقیناً رسول کی شان یہی ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے بلکہ وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ جس نے اس کی اطاعت کی، اس نے خدا کی اطاعت کی۔

ذرا غور فرمایئے!

کہ یہودیوں کے اس ناپاک خیال کی تردید کے لیے اتنا بہت کافی تھا لیکن بیان کا یہ دوسرا رُخ کتنا لرزہ خیز ہے کہ جو آپ کی اطاعت سے گریز کرتا ہے یا آپ کی اطاعت کو اطاعت الٰہی نہیں سمجھتا تو آپ کا اس پر کوئی ذمہ نہیں ہے۔ ہم نے آپ کو اس کے اوپر نگران بنا کر بھیجا ہی نہیں ہے۔

آج بھی مسلم معاشرہ میں یہودیوں کے اس ذہن کا ایک گروہ موجود ہے جو اپنے نمائشی اسلام کے چلمن میں بیٹھ کر حق پرست مسلمانوں کو اسی طرح کے طعنے دیتا ہے اپنی بدعقیدگی اور کج فہمی سے منصب رسالت کی ہر توقیر کو وہ خدا ہی کا حق سمجھتا ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جائز تعظیم بھی اسے پرستش نظر آتی ہے۔ بالکل یہودیوں کی طرح بات بات میں یہی طعنے دیتا ہے کہ ہم معاذ اللہ رسول کو خدا کے منصب پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو قرآن کی اس آیت سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے [۱]

---

[۱] اور اپنے روحانی پیشوا جناب علامہ ابن تیمیہ کی بات سُننی چاہیئے۔ وہ فرماتے ہیں۔

(الفقیر) صفحہ آئندہ پر

چھٹی آیت کریمہ

شانِ نزول ——— آغاز اسلام میں جب کہ قدم قدم پر دشمنوں کی یلغار سے زندگی گھائل ہو رہی تھی توحید الٰہی کا اقرار قیامت کو بلانے کے مترادف تھا۔ قبائل کفر کے سارے فرمان رواؤں نے رسول کی آواز کی سماعت سے دُنیا کو روک دیا تھا انہی ایام میں ایک دن عربی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا کی چوٹی پر چڑھ گئے اور

(حاشیہ صفحہ سابقہ)

ان جهة حرمة الله تعالى ورسوله جهة واحدة فمن اذى الرسول فقد اذى الله ومن اطاعه فقد اطاع الله لان الامة لا يصلون ما بينهم وبين الله تعالى الا بواسطة الرسول ليس لاحد منهم طريق غيره ولا سبب سواه وقد اقامه الله تعالى مقام نفسه فى امره ونهيه واخباره وبيانه فلا يجوز ان يفرق بين الله ورسوله فى شيء من هذه الامور۔ الصارم المسلول ص۴۰

یعنی خدا تعالیٰ اور رسول اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت وعزت کی جہت ایک ہی جہت ہے تو جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دی تو اس نے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو ایذا دی کیونکہ اُمت کسی ایسی چیز کو نہیں پا سکتی جو اس کے اور خدا کے درمیان ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلۂ جلیلہ سے۔ کسی اُمتی کے لیے خدا تک رسائی کا حضور کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے اور نہ حضور کے سوا کوئی دوسرا سبب ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے امر ونہی اور خبر وبیان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا قائم مقام بنا دیا ہے۔ لہٰذا ان امور میں خدا (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

(حاشیہ صفحہ سابقہ)

اور رسول کے درمیان کوئی فرق کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح جو حضرات مصنوعی اور موہومی توحید کے گھمنڈ میں اپنے آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا محتاج متصور نہیں کرتے بلکہ اسے شرک اور نہ جانے کیا کیا ٹھہراتے ہیں۔ وہ ابن تیمیہ کے شاگرد اعظم جناب علامہ ابن قیم جوزی کی سنیں وہ کیا فرماتے ہیں۔

لما كمل الرسول صلى الله عليه وسلم مقام الافتقار الى الله تعالى، احوج الخلائق كلهم اليه فى الدنيا والاخرة اما حاجتهم الى الطعام والشراب والنفس الذى به حياة ابدانهم واما حاجتهم فى الاخرة فانهم يتشفعون بالرسل الى الله حتى يريحهم من ضيق مقامهم فكلهم يتاخر عن الشفاعة فيشفع لهم وهو الذى يستفتح لهم باب الجنة۔ الفوائد للامام ابن قيم جوزيه۔ (ص۱۵۲)

یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکمل طور پر خدا کے حاجت مند ہوئے تو خدا نے ساری مخلوق کو دنیا و آخرۃ میں حضور کا محتاج کر دیا۔ دنیا میں مخلوق کو حضور کی حاجت کھانے پینے اور سانس سے بھی زیادہ ہے جس سے ان کی زندگی قائم ہے اور مخلوق کو آخرت میں حضور کی حاجت یوں ہوگی کہ سارے رسولوں سے خدا کی بارگاہ میں شفاعت کرنے کی درخواست کریں گے کہ وہ انہیں تنگی حشر میں آسانی دے۔ سب رسول شفاعت سے گریز فرمائیں گے۔ پس حضور ہی شفاعت فرمائیں گے اور ان کے لیے جنت کا دروازہ کھلوائیں گے۔

وہ جہنم میں گیا جو اُن سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

انھیں اچانک ٹوٹ پڑنے والے خطرہ سے خبردار کرنے والی زبان میں آواز دی۔ اس آواز پر سارے اہل مکہ بے تحاشا دوڑ پڑے۔ آپ کے گرد جمع ہونے والوں میں ابولہب بھی تھا جب سب جمع ہو گئے تو حضور نے مجمع سے سوال کیا۔

اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کی گھاٹی میں دشمن کا ایک لشکر چھپا ہوا ہے اور تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو کیا تم میری اس خبر کا یقین کرو گے؟

سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ کیوں نہیں، اس زبان پر کیوں نہیں ہم اعتماد کریں گے جو کبھی جھوٹ سے آلودہ نہیں ہوئی۔ جس کی طہارت پر یقین کرنے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان ہے[1]۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا۔

میں تمہیں اس سے بھی زیادہ سنگین اور تباہ کن عذاب کی خبر دے رہا ہوں جو تمہارے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ اگر تم اپنی سلامتی چاہتے ہو تو کفر و شرک کی زندگی سے تائب ہو کر پرچم اسلام کے دارالامان میں آجاؤ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تقریر سن کر ابولہب کے تن بدن میں آگ لگ گئی آنکھوں سے چنگاری اڑنے لگی۔ غصے سے چہرہ تمتما اٹھا۔ فرط غیظ میں جلتے ہوئے کہا۔

تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ أَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا

"تمہارا ناس لگ جائے تم نے یہی سنانے کے لیے ہمیں جمع کیا تھا۔"

ابولہب کی بات ابھی ختم بھی نہ ہو پائی تھی کہ قہر الٰہی کی ایک بجلی چمکی قہر خداوندی کی دھمک سے پہاڑ کا کلیجہ دہل گیا فرط ہیبت سے حرم کی سرزمین کانپ اٹھی۔ اتنے

---

[1] ان سے یہ وعدہ کرا لینے کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ۝

میں حضرت روح الامین کے پروں کی آواز کان میں آئی۔

سرکار نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وہ پر سمیٹے قہر و جلال میں ڈوبی ہوئی یہ آیتیں حضور کو سنا رہے تھے۔

تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ أَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَأَتُهٗ ۝ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝

"ٹوٹ جائیں دونوں ہاتھ ابولہب کے اور اس کا ناس لگ جائے (وہ عذاب سے چھٹکارا پا لیتے کے لیے) نہ اس کا مال کام آئے گا نہ اس کی کمائی ہوئی دولت وہ اور اس کی بیوی جو لکڑیوں کا گٹھڑا اٹھائے پھرتی ہے۔ دونوں جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔"

تشریح محبوب کو اذیت پہنچانے والے ایک فقرہ پر قہر الٰہی کے چڑھتے ہوئے دریا کا تلاطم تو دیکھیے! ایک لمحہ میں ابولہب کی دنیا اور آخرت کا فیصلہ سنا دیا گیا۔

ابولہب اپنے وقت کا نیا مجرم نہیں ہے۔ غضب ناک تیور میں ڈوبی ہوئی آیات کل تک کیوں نہیں اتاری گئی تھیں۔ کل بھی تو غیرت الٰہی کو حرکت میں لانے والے اسباب اس کے ذریعے صادر ہوئے تھے، خدائے واحد کی پرستش سے بغاوت کر کے ہاتھ سے تراشے ہوئے اصنام کو خراج بندگی کا مستحق قرار دینا کیا یہ کم درجے کا جرم تھا۔

لیکن قربان جائیے۔ اس ادائے محبت کے کہ اپنے مجرم کا سوال آیا تو مہلت دے دی۔ لیکن محبوب کے مجرم کی تعزیر کے لیے ایک لمحے کا انتظار بھی روا نہیں

دکھا گیا[1]۔ پھر کہنے والے نے جو کچھ بھی کہا تھا اپنے بھتیجے کو کہا تھا۔ دنیا میں کتنے ہی چچا ہیں جو اس سے بھی زیادہ سخت جملے اپنے بھتیجوں کے حق میں استعمال کیا کرتے ہیں لیکن بھتیجے کی طرف سے جواب دینے کے لیے کون کھڑا ہوتا ہے سب تو یہی کہہ کر درگزر کرتے ہیں کہ یہ چچا کا حق ہے۔

لیکن یہ حق اپنے محبوب کے بارے میں قرآن ہرگز تسلیم نہیں کرتا وہ نہایت سختی کے ساتھ تنبیہ کرتا ہے کہ منصب رسالت کا احترام خون کے رشتوں کے احترام سے

---

[1] اسی لیے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ گستاخِ الوہیت کی توبہ قبول ہے اور گستاخِ نبوت کی توبہ قبول نہیں یعنی سزا کی رو سے کہ اسے ہر صورت سزائے قتل دی جائے گی۔ اگرچہ وہ توبہ کرتا پھرے یہ اس کی آخرت کا معاملہ ہے خدا قبول کرے نہ کرے مگر حد نافذ کی جائے گی اور وہ قتل ہے۔ درمختار میں ہے:

والکافر بسبب نبی من الانبیاء فانه یقتل حدا ولا تقبل توبته مطلقا ولو سب الله تعالیٰ قبلت لانه حق الله تعالیٰ والاولی حق العبد لا یزول بالتوبة ومن شك فی عذابه وکفره کفر۔ (درمختار طبع مطبع احمدی دہلی ص ۳۶۶)

یعنی جو کسی نبی کی گستاخی سے کافر یا مرتد قرار پائے وہ حد کے طور پر قتل کیا جائے گا اس کی توبہ مطلقاً قبول نہیں۔ یعنی خواہ یہ غلطی اس کے اقرار سے معلوم ہوئی ہو یا گواہوں سے ثابت ہوئی ہو۔ اور اگر خدا کی شان میں گستاخی کی تو اس کی توبہ قبول ہے کہ یہ حق خدا ہے اور اول حق عبد ہے توبہ سے زائل نہ ہوگا اور جو گستاخِ خدا اور گستاخِ نبی کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ کافر ہے۔

(فقیر قادری)

کہیں بالاتر ہے۔ اس لیے کسی کو بھی اجازت نہیں ہے کہ رشتوں کی زبان میں کوئی میرے محبوب سے گفتگو کرے۔ وہ پہلے میرا محبوب ہے میرا مقتدر پیغمبر ہے، کائنات میں میرا نائب السلطنت ہے۔ میرے جلال و جمال کا آئینہ[1] ہے اور میرے ہی فضل و کرم سے وہ میری قدرت و عظمت کا ایک بااختیار نمائندہ ہے۔ اس کے بعد وہ کسی کا باپ ہے۔ کسی کا بیٹا ہے۔ کسی کا شوہر ہے اور کسی کا بھتیجا ہے ——

میرے عطا کیے ہوئے منصب کا احترام سب کے لیے ضروری ہے۔ اس منصب کی بے حرمتی ایک لمحہ کے لیے بھی گوارہ نہیں کی جائے گی ——

ساتویں آیت کریمہ

شانِ نزول —— مشہور دشمن اسلام عاص ابن وائل کے متعلق منقول ہے کہ ایک دن وہ مدتوں کی گلی سڑی اور نہایت بوسیدہ ہڈی ہاتھ میں لیے ہوئے سرکار کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے ہڈی کی طرف انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"کیوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارا خیال ہے کہ یہ ہڈی پھر قیامت کے دن دوبارہ زندہ کی جائے گی۔ دنیا کا کوئی دانشمند آدمی بھلا کیا بے جان

---

[1] جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اَنَا مِرْاٰۃُ جَمَالِ اللّٰہِ کہ میں خدا کے حسن و جمال کا آئینہ ہوں ؎

مصطفےٰ آئینہ روئے خدا است
منعکس در روئے ہمہ خوئے خدا است

ہڈی میں کس طرح زندگی کی واپسی کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ تمہارا اصرار ہے کہ ایک کھلی ہوئی ناسمجھی کی بات پر لوگ جمع ہو جائیں بھلا عقل و ہوش کی سلامتی کے ساتھ یہ بات ممکن ہو سکتی ہے؟"

ابھی وہ اپنی بات کہہ کر بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ حضرت روح الامین یہ آیت لے کر نازل ہوگئے۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۝

(عقیدۂ حشر کا مذاق اڑانے کے لیے) اس نے ایک مثل تراشی اپنی پیدائش (کا قصہ) بھول گیا۔ اس نے (طنز کرتے ہوئے) کہا کہ بوسیدہ ہو جانے والی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔

آپ کہہ دیجیے کہ وہ (قادر و توانا خداوند) زندہ کرے گا۔ جس نے پہلی بار اسے زندگی بخشی تھی اور وہ اپنی تمام خلقت کو خوب جانتا ہے۔

تشریح ذرا شانِ محبوبیت کا یہ جلوہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ سوال کرنے والے نے سوال کیا رسول سے، لیکن جواب دے رہا ہے خدائے کردگار، معززِ رسول کے سامنے سوال کا یہ انداز قطعاً غیر مہذب اور ناشائستہ ہے۔ قرآن نے بھی جواب دیتے وقت سوال کے اس رُخ کو سامنے رکھا ہے۔

اپنی پیدائش کا قصہ بھول گیا۔ نخوت و برتری کا غرور توڑنے کے لیے یہ جملہ نشتر سے بھی زیادہ تیز ہے۔ آج جس زندگی کی توانائیوں سے تو شرابور ہے کل جس وقت تو ایک قطرۂ بے جان تھا، تو کس نے تجھے زندگی کا یہ فروغ عطا کیا۔

آدمی کی خو یہ ہے کہ اپنی عجز و درماندگی کے ایام کی یاد کو وہ اپنے لیے باعثِ عار سمجھتا ہے۔ قرآن نے ایک جملے میں غرور کا سارا نشہ اُتار دیا کہ اس کی اصلیت یاد دلا دی

اور اس کے بعد اس بات کو کہ مرنے کے بعد جب ہڈیاں گل سڑ جائیں گی تو کون انھیں زندہ کرے گا، اتنی آسانی سے دماغ میں اُتار دیا کہ عقلِ غلط اندیش مُنہ تکتی رہ گئی۔ اس دلیل کے سامنے سب کی زبان بند ہے کہ جس نے پہلی بار اُسے زندہ کیا تھا وہی دوبارہ اُسے زندہ کرے گا۔ مشکل کام تو پہلی بار کا تھا۔ کیونکہ بالکل عدم سے وجود میں لانا تھا۔ دوسری بار میں بہرحال ایک مادہ تو ہے۔ مانا کہ سڑا گلا ہے۔ لیکن معدوم تو نہیں ہے۔

آٹھویں آیت کریمہ

شانِ نزول ——— کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ نامی ایک عزیز صحابی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ تقریباً ایک لاکھ صحابہ کرام میں یہ تنہا اس قابلِ رشک اعزاز کے حامل ہیں کہ قرآن مجید نے ان کا نام لیا ہے۔

جب یہ عہدِ شباب کو پہنچے تو سرکار نے حضرت زینب بنت جحش نامی ایک معزز خاتون سے ان کا نکاح کر دیا۔ آگے چل کر ان دونوں کے باہمی تعلقات ناخوشگوار ہو گئے اور تلخی بیان تک بڑھی کہ علیحدگی کی نوبت آگئی۔

حضرت زینب کی عدتِ طلاق پوری ہو جانے کے بعد[1] اچانک ایک دن جبریل امین

---

[1] یعنی جب حضرت زینب کی عدت طلاق گزر گئی جیسا کہ صحیح مسلم شریف میں ہے۔

انقضت عدة زينب قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لزيد فاذكرها علي۔

مگر مولوی غلام اللہ خاں راولپنڈی اور ان کے اُستاد و پیر حسین علی واں بھچراں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر بہتان لگایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بلا عدت نکاح کر لیا۔ بلغۃ الحیران ص ۲۲۶

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

بحکمِ الٰہی ہے کرائے۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔

زید کی حاجت براری کے بعد ہم نے آپ کا نکاح زینب سے کر دیا

اس آیت کے نزول کے بعد وہ نہایت فخر و مباہات کے ساتھ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم سرا میں تشریف لائیں۔ اس اعزاز خداوندی پر وہ ہمیشہ نازاں رہیں کہ سرکار کے ساتھ ان کے نکاح کا متولی خود پروردگار تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سارے جہاں میں یہ اعزاز انہی کے ساتھ مخصوص تھا۔

جونہی اس نکاح کی تشہیر ہوئی دشمنوں نے طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ اللہ اپنے بیٹے کی منکوحہ کے ساتھ نکاح کر لیا ہے۔ خدائے کردگار نے اپنے محبوب کی طرف سے دشمنوں کے طعن کا یہ جواب نازل فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ۔

"محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ وہ اللہ کے رسول اور سلسلۂ انبیاء کے خاتم ہیں اور اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔"

تشریح یہ آیت کریمہ تازیانہ ہے ان لوگوں پر جو خدا کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھائی کا رشتہ جوڑتے ہیں۔ جب ان کے بارے میں باپ کا رشتہ خدا کو گوارہ نہیں ہے، تو بھائی کا رشتہ کیونکر گوارا ہو گا۔ ان غفلت شعاروں کو معلوم ہونا چاہیے کہ پیغمبر خود بھائی بننے نہیں آتا ہے بلکہ بھائی بنانے آتا ہے۔

(حاشیہ صفحہ سابقہ) شرم تم کو مگر نہیں آتی

"وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ" کہ ان کی آنکھوں پر پردہ ہے خدا نے سچ فرمایا۔ پھر صحیح مسلم کی حدیث انہیں کیسے دکھائی دیتی۔ ۱۲ (فقیر قادری)

ایمانی کیفیت سے لبریز ہو کر ذرا سوچیے کہ اپنے رسول کے ساتھ خدا کے تعلقات کی نوعیت کتنی محبت انگیز ہے۔ قرآن نے رسول کی منصبی اور ذاتی حیثیت میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ غور کیجیے تو دشمنوں کا یہ اعتراض منصب رسالت پر نہیں تھا۔ ذاتِ رسول پر تھا لیکن قرآن نے اپنے رسول کی وکالت میں اس الزام کا بھی ازالہ فرما دیا۔ یہیں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جو لوگ رسول کی دو حیثیت متعین کرتے ہیں پیغمبرانہ اور غیر پیغمبرانہ وہ قرآن کے مزاج سے واقف نہیں ہیں۔

قرآن نے دشمنوں کے طعن کے جواب میں یہ کہہ کر کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ ان کے فکری افلاس، ان کی غلط بیانی اور دروغ گوئی کا سارا پردہ چاک کر دیا ہے۔

جب وہ کسی مرد کے باپ نہیں ہیں تو حضرت زید کو ان کا بیٹا قرار دینا بالکل سفید جھوٹ ہے۔ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے پر قیاس کرنا بھی کتنی بڑی جہالت ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ منہ بولا بیٹا احکام و تعلقات کی سطح پر بالکل اسی طرح اجنبی ہے جس طرح کوئی بھی بیگانہ آدمی ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس کی منکوحہ کو صلبی اولاد کی منکوحہ کی طرح حرام قرار دینا عقل و دیانت کا خون کرنے کے مترادف ہے۔ دنیا میں لاکھوں افراد ہیں جنھوں نے اپنی منہ بولی بہنوں سے شادی کی ہو گی لیکن کون ان لوگوں پر زبانِ طعن دراز کرتا ہے کہ انھوں نے اپنی بہنوں کو بیوی بنا لیا۔ اس طرح کا اعتراض وہی کر سکتا ہے جس کے دماغ میں عقل نام کی کوئی چیز نہیں ہو۔

نویں آیت کریمہ

شانِ نزول ——— بیان کرتے ہیں کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مجمع عام میں تقریر فرماتے تھے تو کچھ ایسے مواقع بھی پیش آجاتے

تھے کہ صحابہ کرام کو دوبارہ پوچھنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ اس مدعا کے لیے "راعنا" کا لفظ استعمال کرتے تھے جس کے معنی ہیں حضور ہماری رعایت فرمائیے یعنی ہمیں کھول کر اچھی طرح سمجھا دیجیے۔ لیکن یہودیوں کی زبان میں اس لفظ کے معنی نہایت توہین آمیز تھے اُنھوں نے بھی مجمع عام میں اس لفظ کا استعمال شروع کر دیا۔ فرق یہ تھا کہ مسلمان اس لفظ کو بہتر معنی میں استعمال کرتے تھے۔ لیکن یہودی مذہب کے لوگ اس لفظ سے نہایت خراب معنی مراد لیتے تھے۔ یہودیوں کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو دُشمنی تھی اور جس طرح وہ ہمیشہ درپئے آزار رہا کرتے تھے۔ اس لفظ کے ذریعے اُنھیں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا اچھا موقع مل گیا تھا۔ بڑی مشکل یہ تھی کہ یہی لفظ مسلمان بھی استعمال کرتے تھے فرق جو تھا وہ صرف دل کی نیتوں کا تھا اور ظاہر ہے کہ دل کی نیتوں پر کوئی قدغن نہیں لگایا جا سکتا۔

لیکن قربان جائیے اس ادائے رحمت کے جو قدم قدم پر اپنے محبوب کی عزت کی محافظ تھی۔ گستاخ دلوں کے لیے اتنی گنجائش بھی وہ گوارہ نہ کر سکی فوراً ہی آسمان سے یہ آیت نازل ہوئی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

اے ایمان والو! اب "راعنا" کہنا چھوڑ دو اور اس کی جگہ "اُنظُرنا" (ہماری طرف نگاہ کرم مبذول کیجیے) کہا کرو اور (رسول کی باتیں) غور سے سُنو اور (اُن) کافروں کے لیے جو دل میں اہانت رسول کا جذبہ چھپائے رہتے ہیں نہایت دردناک عذاب ہے۔

تشریح وہ شاخ ہی نہ رہے جس پہ آشیانہ ہو اہل ایمان اس لفظ کا استعمال ہی چھوڑ دیں جس میں توہین کے معنی پیدا کرنے کے لیے کسی طرح کی بھی بعید از

امکان گنجائش نکلتی ہو۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ لفظ اپنے ماحول میں اس معنی کا متحمل ہے کہ نہیں توہین کے پہلو کا اتنا احتمال بھی اس لفظ پر پابندی عائد کرنے کے لیے بہت کافی ہے۔

محبوب کی شان میں توہین آمیز الفاظ کا استعمال تو بڑی بات ہے۔ یہاں تو دل کا توہین آمیز ارادہ بھی ایک لمحے کے لیے گوارا نہیں ہے۔ اگرچہ "راعنا" کا لفظ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے عربی زبان کا ایک نہایت شائستہ لفظ ہے۔ لیکن چونکہ دُشمن اس لفظ کو اپنی شقاوت قلبی کی تسکین کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اس لیے لفظ کا استعمال ہی ترک کر دیا جائے تاکہ دُشمن کو لفظ میں معنوی تصرف کا بھی آئندہ موقع نہ مل سکے۔

اب رہ گیا سوال گستاخوں کی سزا کا تو سُن لیں کہ آخرت میں دردناک عذاب ان کا مقدر ہو چکا ہے۔ کیوں کہ یہ دنیا دار الجزا نہیں ہے۔ اس لیے یہاں نہ کسی گستاخ کی زبان پکڑی جا سکتی ہے۔ نہ اس کا قلم تھاما جا سکتا ہے۔ یہاں خیر و شر کی دونوں راہیں کھلی ہیں ان راہوں پر وہ جتنی دور تک جانا چاہے جا سکتا ہے۔ انعام و سزا کا مرحلہ تو آنے والی زندگی میں پیش آئے گا۔ لیکن اس دنیا میں ان لوگوں کا عبرتناک انجام بھی پیچھے پلٹ کر یہ لوگ دیکھ لیتے جنھوں نے محبوبانِ حق کے ساتھ ٹھٹھا کیا تھا تو کم از کم یہ سمجھ میں آ جاتا کہ انبیاء کے گستاخوں پر خدا کی رحمت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہے۔

ایک عبرتناک داستان

بات آ گئی ہے تو اس آیت کے ضمن میں ایک نہایت عبرتناک داستان کا تذکرہ چھیڑنا چاہتا ہوں۔

تقریباً نصف صدی سے زائد کا عرصہ ہوا کہ ہندوستان میں تقویۃ الایمان تحذیر الناس حفظ الایمان اور فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ چند ایسی کتابیں لکھی گئیں جن کی عبارات اہانت

رسول کے زہر سے شرابور تھیں۔ جب وہ کتابیں چھپ کر منظر عام پر آئیں تو مصنفین اور ناشرین سے درخواست کی گئی کہ جس رسول کا تم کلمہ پڑھتے ہو ان کی معصوم روح کو اذیت نہ پہنچاؤ۔ بارگاہ رسالت میں توہین کر کے تم نے اپنا رشتہ حلقۂ اسلام سے توڑ لیا ہے۔ پھر دوبارہ اسلام کی طرف آنا چاہتے ہو تو اپنی توبہ شرعیہ کا اعلان کرو اور ان ناپاک عبارتوں کو اپنی کتابوں سے نکال دو۔

بجائے اس کے کہ وہ دائمی ہلاکت کی منزل سے لوٹتے ان کی نخوتِ فکر نے ان کا دامن تھام لیا۔ نفس کے شیطان نے انہیں یہ پٹی پڑھائی کہ تم اپنی تقصیر کا اعتراف ہی نہ کرو۔ تاویلوں کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ تمہاری عبارات سے جہاں کفر کی شراب ٹپکتی ہے وہاں اسلام کا بھی کوئی نہ کوئی پہلو تلاش کر ہی لیا جائے گا۔ بات بڑھتے بڑھتے اس منزل تک آ گئی جہاں دو ٹوک فیصلہ کے لیے کسی ثالث کی ضرورت پیش آتی ہے۔ چنانچہ اس مقدمہ کی پوری فائل حرمین طیبین کے علماء، مشائخ، اساتذہ، محدثین، مفتیانِ مذاہب اربعہ اور مستند قضاۃ کے سامنے رکھ دی گئی۔ بالآخر مدتوں کے غور و فکر اور بحث و نظر کے بعد حجاز مقدس اور عالم اسلام کے تمام مفتیان شریعت اور مشائخ ہدایت نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ ان کتابوں میں کھلی ہوئی اہانت رسول ہے۔ توبہ کے علاوہ کوئی تاویل ان[1]

---

[1] یاد رہے کہ علمائے دیوبند کی وہ عبارتیں حسام الحرمین تصنیف لطیف مجدد اعظم اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ میں مذکور ہیں جن کی بنا پر ان گستاخوں کی تکفیر کی گئی وہ اس قدر صریح اور کھلی گستاخیاں ہیں کہ کوئی تاویل نہیں چل سکتی اور نہ ان میں اسلام کا ضعیف سے ضعیف احتمال نکل سکتا ہے۔ اس لیے وہاں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ پہلے متعدد حوالوں سے گزرا کہ صریح میں کوئی تاویل نہیں چل سکتی۔ کیونکہ اگر صریح میں بھی تاویل چلے تو کوئی بات کفر نہ رہے مثلاً زید نے کہا کہ دو خدا ہیں اور اس میں یہ تاویل ہو جائے کہ میری مراد بحذف مضاف حکم خدا ہے یعنی خدا کا حکم متضاد دو ہیں۔ مُبرم و مُعلّق اور اس کی تائید میں قرآن کی آیت پیش کرے ——

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

کتابوں کے مصنفین کو آخرت کے دائمی عذاب سے نہیں بچا سکتی۔

اب بھی موقع تھا کہ ان کتابوں کے مصنفین، ناشرین اور معتقدین اپنی ان شقاوتوں پر متنبہ ہوتے اور الٹے پاؤں اسلام کی سلامتی کی طرف لوٹ آتے لیکن بُرا ہو نفس کے شیطان کا کہ وہ بے جا تاویلوں پر اتر آئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آتشِ صحرا کی طرح یہ چنگاری پھیلتی گئی اور اب آتش کدۂ نمرود کی طرح سارا ہند و پاک اس کے شعلوں میں جل رہا ہے۔

مدت ہوئی ان کتابوں کے مصنفین اپنا اپنا انجام دیکھنے کے لیے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ گئے۔ لیکن ان کے قلم کے نشتر سے مسلمانوں کا سینہ آج تک گھائل ہے۔ اور نہیں کہا جا سکتا کہ یہ زخم کب تک مندمل ہو گا۔

آج بھی وہ دل آزار کتابیں چھپتی ہیں۔ آج بھی باطل قوتوں کی پناہ گاہوں میں بیٹھ کر دن دہاڑے محبوب کبریا کی حرمتوں کا قتل عام کیا جاتا ہے۔ یہ دنیا ہے یہاں سرکشی کے طوفان پر کوئی بند نہیں باندھا جا سکتا۔ یہاں فرعون و ابوجہل اور یزید و چنگیز جیسے باغیوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

إِلَّا أَنْ يَأْتِيَ اللّٰهُ ای أَمْرُ اللّٰه۔ یا زید کہے کہ میں رسول اللہ ہوں۔ اس میں یہ تاویل گھڑی جائے کہ رسول اللہ سے میری مراد لغوی معنی ہے نہ کہ شرعی۔ یعنی میری روح کو خدا ہی نے میرے بدن میں بھیجا ہے۔ ایسی تاویلیں ہرگز قابل قبول نہیں اسی طرح علمائے دیوبند کی عبارتیں گستاخی کے معنی میں صریح ہیں۔ لہٰذا کفر سے بچنے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ علماء دیوبند اپنی گستاخیوں سے تائب ہوتے مگر نہ ہوئے مقدر میں کفر تھا تو توبہ کیسے کرتے۔

حقائق تک رسائی کے لیے مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تمہید الایمان بہ آیات قرآن کا مطالعہ ضروری ہے۔ (فقیر قادری)

کو بھی جینے کی مہلت دی جاتی ہے۔

آج کی صحبت میں دیوبندی مسلک کے نمائندوں سے میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ مذکورہ بالا کتابوں کی عبارتوں میں اگر بالفرض تم نے اسلام کا کوئی پہلو تلاش کر لیا ہے تو چشم ما روشن دل ماشاد۔ لیکن اس حقیقت سے تو تم انکار نہیں کر سکتے کہ ان عبارات کا ایک رُخ اہانت رسول پر مشتمل ضرور ہے، کیونکہ اگر ان عبارتوں میں اہانتِ رسول کا کوئی پہلو نہ ہوتا تو تاویل کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی؟

پس قرآن کی ہدایت کے موجب اگر "رَاعِنَا" کے لفظ پر صرف اس وجہ سے پابندی عائد کی جا سکتی تھی کہ اس لفظ میں دُشمنانِ رسول کے تئیں اہانت کا کوئی پہلو نکل سکتا تھا تو اسی قانون کی روشنی میں کیا اُن کتابوں پر پابندی عائد نہیں کی جا سکتی کہ جن کی عبارتوں میں اہانتِ رسول کا واضح پہلو موجود ہے۔

لیکن باور کیجیے کہ قرآن پر صحیح ایمان ہوتا، حُبِّ رسول کی کچھ بھی غیرت ہوتی اور خدا کی خوشنودی کا ذرا بھی پاس و لحاظ ہوتا تو اہانت انگیز کتابوں کو کب کا دریائے شور میں نابود کر دیا گیا ہوتا۔ تاکہ دُنیائے اسلام میں بے چینیوں کی جو آگ سلگ رہی ہے وُہ بُجھ جاتی اور جو لوگ آج اہلِ عشق و محبت کی ٹھوکروں میں بھی جگہ پانے کے قابل نہیں ہیں وہ سروں پر بیٹھتے اور دلوں پر حکومت کرتے اور اس طرح وہ لوگ علمائے دین کا صحیح مقام حاصل کر لیتے۔

دسویں آیت کریمہ

شانِ نزول ——— کہتے ہیں کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پاک میں ایک منافق اور ایک یہودی کے درمیان کھیت میں پانی ٹپانے پر جھگڑا ہو گیا۔ یہودی کا کھیت پہلے پڑتا تھا، منافق کا کھیت اس کے بعد تھا۔ یہودی

کا کہنا تھا کہ پہلے میرا کھیت سیراب ہو گا۔ تب تمہارے کھیت میں پانی جانے دوں گا۔ منافق کا اصرار تھا کہ پہلے میں اپنے کھیت کو سیراب کروں گا اس کے بعد تمہارے کھیت میں پانی جائے گا۔

جب یہ جھگڑا کسی طرح طے نہ ہو سکا تو کسی ثالث کے ذریعے فیصلہ کرانے کی بات ٹھہری۔ یہودی نے کہا کہ میں تمہارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کو اپنا ثالث مانتا ہوں ان سے اختلاف کے باوجود مجھے یقین ہے کہ وہ حق کے سوا کسی کی بھی پاسداری نہ کریں گے۔ منافق نے یہ سوچ کر کہ یہودی کے مقابلہ میں یقیناً وہ میری رعایت کریں گے۔ کیونکہ میں اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہوں، یہودی کی پیشکش قبول کر لی۔

چنانچہ یہودی اور منافق دونوں اپنا مقدمہ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے سرکار نے دونوں فریق کا الگ الگ بیان سنا۔ نزاع کی تفصیل یہ واضح کر رہی تھی کہ حق یہودی کے ساتھ ہے۔ چنانچہ حضور نے یہودی کے حق میں فیصلہ سُنا دیا۔

یہودی فرحاں و شاداں وہاں سے اُٹھا اور باہر آ کر منافق سے کہا کہ اب تو میرے حق سے تمہیں انکار نہ ہو گا۔ منافق نے منہ لٹکائے پیشانی پر بل ڈالے جواب دیا کہ میں فیصلہ تسلیم نہیں کرتا۔ میرے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔ تمہیں منظور ہو تو ہم اپنا مقدمہ حضرت عمر کے پاس لے چلیں وہ صحیح فیصلہ کریں گے۔ یہودی نے جواب دیا۔ تم جس سے بھی فیصلہ کراؤ رسولِ خدا کا فیصلہ اپنی جگہ پر بحال رہے گا۔

چنانچہ دونوں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دولت کدۂ اقبال پر حاضر ہوئے۔

منافق نے مقدمہ کی تفصیل بتاتے ہوئے اس بات کی بار بار تکرار کی کہ میں مسلمان ہوں اور یہ یہودی ہے۔ مذہبی عناد کی وجہ سے یہ مجھے نقصان پہنچانا چاہتا ہے منافق کا بیان ختم ہوا۔ تو یہودی صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"یہ صحیح ہے کہ میں یہودی ہوں اور یہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ لیکن سن لیا جائے کہ جو مقدمہ یہ آپ کے پاس لے کر آیا ہے۔ اس کا فیصلہ پیغمبرِ اسلام نے میرے حق میں کر دیا ہے۔ یہ مسلمان ہو کر کہتا ہے کہ مجھے ان کا فیصلہ تسلیم نہیں ہے۔ یہ اپنے نمائشی اسلام کی رشوت دے کر آپ سے رسولِ خدا کے خلاف فیصلہ کرانے آیا ہے اب آپ کو اختیار ہے کہ جو فیصلہ چاہیں کر دیں۔

یہودی کا یہ بیان سُنکر فاروق اعظم کی آنکھیں سُرخ ہو گئیں۔ فرطِ جلال سے چہرہ تمتما اُٹھا۔ عالمِ غیظ میں منافق سے صرف اتنا دریافت کیا کہ "کیا یہودی کی بات صحیح ہے؟"

منافق نے دبی زبان سے اعتراف کیا کہ اس نے ٹھیک ہی کہا ہے۔

منافق پر بغاوت کا جُرم ثابت ہو گیا۔ فاروق اعظم کی عدالت میں ایک مرتد کی سزا کے لیے اب کوئی لمحہ انتظار باقی نہیں تھا۔ اسی عالمِ قہر و غضب میں اندر تشریف لے گئے۔ دیوار سے لگی ہوئی ایک تلوار لٹک رہی تھی اُسے بے نیام کیا۔ قبضے پر ہاتھ رکھے ہوئے باہر نکلے۔ فرطِ ہیبت سے منافق کی آنکھیں جھپک کر رہ گئیں۔

غیرتِ جلال میں ڈوبی ہوئی ایک آواز فضا میں گونجی ——————

"حاکمِ ارض و سماوات کے فیصلے کا منکر اسلام کا کھلا ہوا باغی ہے اور اس کے حق میں عمر کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کا سر قلم کر دیا جائے"

یہ کہتے ہوئے ایک ہی وار میں منافق کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ ایک لمحے کے لیے لاش تڑپی اور ٹھنڈی ہو گئی۔

اس کے بعد مدینے میں ایک بھونچال سا آ گیا۔ یہ خبر بجلی کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی۔ چاروں طرف سے منافقین غول در غول دوڑ پڑے۔ گلی گلی میں یہ شور برپا ہو گیا کہ حضرت عمر نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا — دشمنانِ اسلام کی بن آئی تھی۔ اپنی جگہ اُنھوں نے یہ بھی پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ اب تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں کی

تلواریں صرف مشرکین کا خون چاٹتی تھیں۔ لیکن اب خود مسلمان بھی ان کے وار سے محفوظ نہیں ہیں۔

بات پہنچتے پہنچتے آخر کار سرکار کی بارگاہ تک پہنچی۔ مسجدِ نبوی کے صحن میں سب لوگ جمع ہو گئے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طلبی ہوئی غیرتِ حق کا تیور ابھی تک اُترا نہیں تھا۔ آنکھوں میں جلالِ عشق کا خمار لیے ہوئے حاضرِ بارگاہ ہوئے۔

سرکار نے دریافت فرمایا۔

"کیوں عمر! مدینے میں یہ کیسا شور ہے؟ کیا تم نے کسی مسلمان کو قتل کر دیا ہے؟"

جذبات کے تلاطم سے آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ دل کا عالم زیر و زبر ہو رہا تھا بزمِ جاناں میں پہنچ کر عشق کی دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھی تھی۔ بیخودی کی حالت میں کھڑے ہو کر جواب دیا۔

"عمر کی تلوار کسی مسلمان کے خون سے کبھی آلودہ نہیں ہو گی۔ میں نے ایسے شخص کو قتل کیا ہے جس نے آپ کے فیصلے سے انکار کر کے اپنی جان کا رشتہ حلقۂ اسلام سے توڑ لیا تھا۔

اپنی صفائی پیش کر کے حضرت فاروق اعظم ابھی بیٹھے ہی تھے کہ فضا میں شہپرِ جبریل علیہ السلام کی آواز گونجی۔ اچانک عالمِ غیب کی طرف سرکار کی توجہ منعطف ہو گئی دم کے دم میں محفل کا رنگ بدل گیا۔ حضرت روح الامین نے خدائے ذوالجلال کی طرف سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقدمے کا فیصلہ سُنایا۔ وہی جواب جو فاروق اعظم نے دیا تھا۔ اس آیتِ قرآنی میں ہمیشہ کے لیے ڈھل گیا۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کی زبان پر کلام کرتا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ
بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا

قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

قسم ہے آپ کے پروردگار کی کہ وہ اس وقت تک مسلمان ہی نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے جھگڑوں میں وہ آپ کو اپنا حکم نہ مان لیں اور پھر جب آپ ان کا فیصلہ کر دیں تو وہ اپنے دلوں میں کسی طرح کی خلش نہ محسوس کریں اور آپ کا فیصلہ کھلے دل سے تسلیم کر لیں۔[1]

تشریح یہ آیت اپنے موقعِ نزول کی روشنی میں مندرجہ ذیل امور کو خوب اچھی طرح واضح کرتی ہے:

۱۔ کلمہ اور اسلام کی نمائش کسی کو بھی بغاوت کی سزا سے نہیں بچا سکتی۔ مدنی تاجدار کی سرکار میں ذرا سی گستاخی بھی یک لخت اسلام کا وہ سارا استحقاق چھین لیتی ہے جو کلمہ پڑھنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ پیدائشی طور پر جو لوگ اسلام سے بیگانہ ہیں اور جنھوں نے کبھی بھی اپنے آپ کو کلمۂ طیبہ سے وابستہ نہیں کیا ہے۔ ان کے وجود کو کسی نہ کسی حالت میں یقیناً برداشت کیا جا سکتا ہے لیکن اپنے اسلام کا اعلان کر دینے کے بعد جو منکر ہو گئے یا اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوئے جنھوں نے نبی مرسل کی شان میں توہین آمیز رویہ اختیار کیا۔ انھیں ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا۔ اسلام کی زبان میں وہ مرتد ہیں۔

---

[1] تفسیر خازن و معالم التنزیل میں کلبی کے طریق سے حضرت امام ابو صالح و ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

وقال جبریل ان عمر رضی اللہ عنہ فرق بین الحق والباطل فسمی الفاروق

(ترجمہ) یعنی جبریل علیہ السلام نے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حق و باطل میں امتیاز کر دیا ہے۔ اس دن سے آپ کا لقب فاروق رکھا گیا۔

ان کا حال بالکل اس دوست کی طرح ہے جو رگِ جان سے قریب ہو جانے کے بعد یک بیک دغا دے دے۔ کسی بیگانے کو تو گلے لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن ایسے کے منہ پر کوئی تھوکنا بھی گوارا نہیں کرے گا۔

انسان کی یہ عالمگیر فطرت ہے۔ ہر شخص کی زندگی میں اس طرح کی دو چار مثالیں ضرور مل سکتی ہیں۔ لیکن ماتم یہ ہے کہ فطرت کا یہ تقاضا انسان اپنے بارے میں تو تسلیم کرتا ہے لیکن خدا اور رسول کے معاملے میں فطرت کا یہ تقاضا فراموش کر دیتا ہے۔

یہ اسلام و عقل کی فطرت ہی تو تھی کہ جس فاروق اعظم نے بڑے بڑے کافران دنیا کو زندگی کا حق دیا۔ وہی فاروقِ اعظم آج کلمۂ اسلام سے برگشتہ ہو جانے والے مرتد کو ایک لمحہ بھی زندہ دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔

۳۔ اس آیت سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ کفر و ارتداد کچھ توحید و رسالت، یا مذہب اسلام سے کھلم کھلا انکار پر ہی منحصر نہیں ہے۔ یہ بھی انکار ہی کے ہم معنی ہے کہ خدا کو اپنا خدا، یا رسول کو اپنا رسول اور اسلام کو اپنا اسلام کہتے ہوئے کسی بھی رُخ سے منصب رسالت کی تنقیص کر دی جائے۔

اُن کی پاکیزہ زندگی کا اگر بے غبار آنکھوں سے مطالعہ کیا جائے تو ہزاروں واقعات شہادت دیں گے کہ جب تک وہ زندہ رہے نبی کے قدموں کے نیچے ان کے دل بچھے رہے۔ دین و دُنیا کی ساری کامرانیوں اور ارجمندیوں کو اُنھوں نے اپنے حبیب کے دامن سے اس طرح باندھا تھا کہ کسی گرہ کا کھلنا تو بڑی بات ڈھیلی تک نہیں ہوئی۔

اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے راستے میں اگر اپنا لاڈلا بیٹا بھی حائل ہو گیا تو اُن کی غیرت عشق کی تلوار نے اُسے بھی معاف نہیں کیا۔ ان کی دوستی اور دشمنی کا محور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس پیشانی پر اُبھرتی ہوئی لکیروں، اور چہرۂ تاباں کی مسکراہٹوں کے گرد ہمیشہ گھومتا رہتا تھا۔ ایمان کے اس تقاضے کے ساتھ ان کی زندگی کا یہ پیمان

کبھی نہیں ٹوٹ سکا کہ جو نبی کا ہے وہی ان کا ہے اور جو نبی کا نہیں ہے۔ اس کے ساتھ اُن کا کوئی رشتہ نہیں چاہے خواہ خون ہی کی خمیر سے وہ رشتہ کیوں نہ وجود میں آیا ہو۔

گیارہویں آیت کریمہ

شانِ نزول ـــــــ منقول ہے کہ ایک موقع پر سرکار والا تبار کی خدمت میں حضرت عمر فاروق اور دوسرے اجلہ صحابہ موجود تھے۔ کسی معاملہ پر حضور ان سے مشورہ فرما رہے تھے۔ بات آگے بڑھی اور گفتگو کا سلسلہ دراز ہو گیا یہاں تک کہ ایک موقع پر بات کی رو میں ان بزرگوں کی آواز بلند ہو گئی۔ خدائے کردگار کو اپنے محبوب کی جناب میں یہ انداز گفتگو سخت ناپسند ہوا۔ غلاموں کے انتباہ کے لیے فوراً ہی یہ ہدایت نامہ نازل فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝

اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ ہونے دو۔ اور ان سے اس طرح چلا کر گفتگو نہ کرو جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں تمہارے سارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو[1]

---

[1] حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کچھ اونچا سُنتے تھے اس لیے اونچا بولتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں بارگاہِ اقدس میں (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

(بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ)

غیر حاضر پا کر طلب فرمایا۔ حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حضور! میری غیر حاضری کی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ سرکار کو معلوم ہے کہ میں اونچا سنتا اور اونچا بولتا ہوں ڈرتا ہوں کہ آپ کے حضور اونچا بولنے کی سزا میں اپنے نیک اعمال ضائع نہ کر بیٹھوں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّكَ تَعِيشُ بِخَيْرٍ وَتَمُوتُ بِخَيْرٍ وَإِنَّكَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ

(تفسیر بیضاوی ج ۴ ص ۱۵۶)

"یعنی اے ثابت! ایسا نہ ہوگا تم خیریت سے جیتے رہو گے۔ خیریت سے تمہیں موت آئے گی اور تم جنتیوں میں سے ہو۔"

اسد الغابہ میں ہے کہ ثابت بن قیس زمانہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حضرت خالد بن ولید کی زیر قیادت ایک جنگ میں شہید ہو گئے اور کسی نے آپ کے تن بے جان سے زرہ اُتار لی۔ تو آپ خواب میں ایک مجاہد کے پاس آئے اور کہا کہ فلاں شخص میرے شہید ہو جانے کے بعد میرے تن سے میری زرہ اُتار کر لے گیا ہے۔ اس کا آخری خیمہ ہے اُس کے آگے گھوڑا اس نشانی والا بندھا ہوا ہے۔ اس کے خیمے میں ایک ہانڈی ہے۔ اس میں اس شخص نے میری زرہ چھپا رکھی ہے۔ خالد بن ولید سے کہو کہ وہ اس شخص سے زرہ لے لیں اور خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کریں کہ مجھ پر اس قدر فلاں شخص کا قرضہ ہے میری زرہ بیچ کر قرضہ اُتار دیں اور میرے فلاں غلام کو بھی آزاد کر دیں۔

وہ شخص حضرت خالد بن ولید کو جا کر بتاتا ہے، آپ نے جا کر دیکھا تو اس کے خیمے سے وہ زرہ اسی طرح برآمد ہوئی۔ اسے حضرت ابوبکر صدیق کی خدمت میں بھیجا گیا اور اس ذی کرامت واقعہ کا حال ان سے عرض کیا گیا۔ آپ نے ان کی وصیت پر پورا پورا عمل کیا۔ اسلام میں اس نوعیت کی یہ پہلی اور آخری وصیت ہے (اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۲۹) (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

تشریح غور کرنے کی بات یہ ہے کہ نبی کی آواز پر جن صحابہ کرام کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ ان کی نیاز مندی وعقیدت مندی کی قسم کھائی جاسکتی تھی۔ جذبات کی رو میں ایسا ہو گیا تھا ورنہ دل کی کائنات توقیر رسالت کے جذبے سے معمور تھی تنقیص شانِ رسالت کی بات وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے تھے۔

عالم بیداری کی تو بات ہی کیا ہے ؟

لیکن۔

اپنے محبوب کی رفعتِ شان کے لیے ذرا مشیت الٰہی کا یہ اہتمام ملاحظہ فرمایئے کہ اتنی بات بھی گوارا نہیں ہے کہ بے خیالی میں بھی کا کل و رخ کے غلاموں سے کوئی ایسی بات صادر ہو جائے جو جلالت شان کے خلاف ہو۔

وارفتگی عشق کا اخلاص اپنی جگہ پر ہے دلِ نیاز مند کا حال بھی چھپا ہوا نہیں لیکن منصب کی شوکتوں کا پاس تو کرنا ہی ہوگا۔ محبوب سے تخاطب کے لیے جہاں الفاظ کی نوک پلک اور تعبیر کی نزاکتوں پر نگاہ رکھنا ضروری ہے وہاں آواز کا لب و لہجہ بھی آزاد نہیں ہے۔ پھر آیت بالا میں انداز بیان کا وہ تیور جس کی دہشت سے

(بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ)

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے بارے میں زندگی موت خاتمے اور جنتی و دوزخی ہونے تک کی پوری خبر ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شہید زندہ ہیں اور یہ بھی کہ وہ دنیا میں ہونے والے حالات سے باخبر ہیں اور یہ بھی کہ حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت عند اللہ بھی حق تھی۔ اگر ناحق ہوتی اور عند اللہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی خلیفہ بلا فصل ہوتے تو یہ وصیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نام ہوتی۔

خون سوکھ جاتا ہے۔ یہ ہے کہ انسان اپنی سرشت کے لحاظ سے بے عیب و بے خطا نہیں ہے طرح طرح کے معاصی کا وہ بار بار ارتکاب کرتا ہے۔ لیکن رحمتِ یزدانی کا یہ احسان عام ہے کہ کسی بھی نئے گناہ کے ارتکاب سے وہ نیکیوں کے پچھلے ذخیرے کو برباد نہیں کرتا۔ کفر و شرک کے علاوہ بڑے سے بڑے جرم کے لیے یہی قانون ہے کہ مجرم نے کسی جرم کا ارتکاب کیا، نامۂ اعمال میں ایک فرد گناہ کا اضافہ ہو گیا۔ پچھلی نیکیاں اپنی جگہ پر ثابت و برقرار ہیں۔ لیکن محبوب کی شان میں گستاخی اتنا بڑا جرم ہے کہ پچھلی نیکیوں کا ذخیرہ بھی ختم کر دیا جاتا ہے۔

یہ سوچ کر کلیجہ کانپ جاتا ہے کہ محبوب باری کی جناب میں ذرا سی آواز اونچی ہو گئی تو اس کی سزا صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ نامۂ اعمال میں ایک گناہ کا اندراج کر لیا جائے گا۔ بلکہ قرآن کہتا ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ پچھلی نیکیاں بھی مسخ کر دی جائیں گی۔ اور عبادت واطاعت کا سارا اندوختہ بھی مسخ کر دیا جائے گا۔ اور سب سے بڑا غضب یہ کہ لٹ جانے والے کو اس کی خبر بھی نہ ہو سکے گی کہ عمر بھر کی نیکیوں کا خرمن کب لٹا اور کیسے لٹا۔ قیامت کے دن جلی ہوئی خاکستر جب سامنے آئے گی تب اچانک محسوس ہوگا کہ ہم لٹ گئے۔

ذرا نخوتِ علم و ادب کی تاریکی سے باہر نکل کر سوچئے! جب نبی کے حضور ذرا سی اونچی آواز کرنے سے یہ سزا ملتی ہے تو جن لوگوں نے ان کی تنقیص شان کو ہی اپنا شعار بنا لیا ہے ان کی بربادیوں کا کون تصور کر سکتا ہے ؟

خدا اس ہلاکت خیز آزار سے اپنے محبوب کی امت کو محفوظ رکھے۔ دین و دنیا کی تباہی کے لیے شیطان کے پاس اس سے زیادہ خوفناک اور کوئی ہتھیار نہیں کہ وہ توحید الٰہی کے نام پر رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دلوں کا رخ پھیر دیتا ہے ذلت و رسوائی کے اسی مرحلے سے چونکہ وہ خود بھی گزر چکا ہے اس لیے وہ اس بھید سے

واقف ہے کہ کسی کی دنیا و آخرت کس طرح آن واحد میں تباہ کی جا سکتی ہے۔

قرآن کریم کی جو آیات اُوپر پیش کی گئی ہیں وہ کلام کسی انسان کا نہیں بلکہ انسانوں کے خدا کا ہے۔ ان آیات کی روشنی میں آسانی سے دریافت کیا جا سکتا ہے کہ جس مدنی رسول کا اعزاز خدا کے نزدیک اس درجے کا ہے تو خدا کے بندوں کے نزدیک کس تکریم و اعزاز کا وہ مستحق ہوگا۔ ذرا آنکھیں بند کر کے سوچئے تو سہی! کہ کہاں خدا کی ذات جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خالق ہے مالک ہے معبود ہے مسجود ہے اتنی لاشریک عظمتوں کے باوجود وہ اپنے بھیجے ہوئے رسول کا کتنا لحاظ فرماتا ہے کہ اپنے نادان بندوں کو ان کے دربار کا ادب سکھلاتا ہے اور کہاں یہ ناچیز بندے جنہیں تعظیم کے لیے صرف کھڑے ہونے میں کسر شان نظر آتی ہے۔

بارہویں آیت کریمہ

شانِ نزول ـــــــ کہتے ہیں کہ عین دوپہر کے وقت بے تاب شیدائیوں کا ایک وفد مسجد نبوی کے دروازے پر پہنچا۔ وہ بہت دور دراز کے ایک قبیلے سے آیا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہونے کا اضطرابِ شوق یہاں تک کھینچ لایا تھا۔

جن اونٹوں پر وہ سوار تھے انہیں بٹھا بھی نہ پائے تھے کہ وہیں سے کھڑے کھڑے دریافت کیا۔

"نبی آخر الزماں اس وقت کہاں ملیں گے؟"

لوگوں نے جواب دیا۔

وہ اپنے کاشانۂ رحمت میں آرام فرما رہے ہوں گے۔"

بس اتنا سننا تھا کہ بے تابیٔ شوق میں وہیں سے نیچے کود پڑے اور سرکار کے دولت سرائے عزت پر کھڑے ہو کر آواز دینا شروع کیا۔ ان کی آواز پر حضور کی نیند اڑ گئی۔ باہر تشریف لائے اور انہیں دولت ایمان سے فیض یاب کیا۔

ابھی اس محفل نور سے اُٹھے بھی نہ تھے کہ حضرت جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام خدائے ذوالجلال کی طرف سے آیت کریمہ لے کر نازل ہوئے۔

آیت کا مضمون پڑھنے کے بعد بالکل ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سلطانِ کائنات نے اپنے نائب السلطنت کے دربار میں حاضری کے آداب سکھانے کے لیے اپنی رعایا کے نام ایک فرمان جاری کیا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

محبوب! جو لوگ کمروں کے باہر کھڑے ہو کر آپ کو آواز دے رہے ہیں ان میں زیادہ تر ایسے ہیں جو (منصب نبوت کے آداب سے) نابلد[1] ہیں۔

---

[1] ان کو بے عقل اس لیے فرمایا کہ انھوں نے منصب نبوت کے شایانِ شان حسنِ ادب کا مظاہرہ نہ کیا کہ عقل حسنِ ادب کی مقتضی ہے۔ جیسا کہ بیضاوی میں ہے:

اذ العقل یقتضی حسن الادب

(تفسیر بیضاوی ج ۴ ص ۱۵۷)

قرآن کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ بے ادب بے عقل ہوتا ہے۔ لہٰذا علماء دیوبند نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں اور شیعوں نے صحابہ کرام کی شان میں بے ادبی کا مظاہرہ کر کے اپنی بے عقلی پر مہر ثبت کر دی ہے۔ لہٰذا دیوبندیوں اور شیعوں کو اپنا پیشوا ماننے والا بھی بڑا ہی بے عقل انسان ہے (فقیر قادری رضوی)

اگر وہ صبر کے ساتھ آپ کی تشریف آوری کا انتظار کرتے تو یہ ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا اور (چونکہ اس نادانی کا ارتکاب جذبۂ شوق کی وارفتگی میں ان سے ہوا ہے) اللہ بخشنے والا مہربان ہے (اپنی رحمتوں سے وہ انہیں معاف کر دے گا)۔ (الحجرات)

تشریح رشتۂ محبت کی نزاکت ملاحظہ فرمایئے۔ نبی کا منصبی فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کو خدائے واحد کا پرستار بنائے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ کلمۂ توحید کا اشتیاق لے کر پیغمبر کی چوکھٹ تک آئے ان کی بے قراری قطعاً ایک ایسے فرض کے لیے ہے کہ جس کا تعلق منصب نبوت سے بھی ہے۔ اس کے لیے آج وہ خود آواز دے رہے ہیں آواز کے پیچھے مقصد کی ہم آہنگی سے کون انکار کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود خدائے کردگار کے نزدیک یہ کام محبوب کے خواب ناز سے زیادہ اہم نہیں ہو سکتا۔ دونوں جہان کا چین جس کی راحت جاں سے وابستہ ہے۔ اس کے آرام میں خلل ڈالنے کے معنی سوا اس کے اور کیا ہیں کہ پوری کائنات کی آسائش کو چھیڑ دیا جائے۔

پھر وارفتگی شوق کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں ہے کہ آداب عشق کی اُن حدود سے کوئی تجاوز کر جائے جہاں تنقیص شان کا شبہ ہونے لگے۔

عرب کا ذرہ نواز تمھیں اپنے پہلو میں بٹھا لیتا ہے تو اس احسان بے پایاں کا شکر ادا کرو کہ ایک پیکر نور سے خاکساروں کا رشتہ ہی کیا؟ اور ایک لمحے کے لیے بھی اسے نہ بھولو کہ وہ روئے زمین کا پیغمبر ہی نہیں ہے۔ خدائے ذوالجلال کا محبوب بھی ہے۔

ان کی بارگاہ کے حاضرباش شیوۂ ادب سیکھیں۔

پیکر بشری سے دھوکہ نہ کھائیں۔ اپنے وقت کا سب سے بڑا زاہد اسی تقصیر پر عالم قدس سے نکالا گیا تھا۔ فرزندانِ آدم کو غفلت سے چونکانے کے لیے تعزیراتِ الٰہی کی یہ پہلی مثال کافی ہوگی کہ محبوب کے دامن سے مربوط ہوئے بغیر خدا کے ساتھ سجدۂ بندگی کا بھی کوئی رشتہ قابلِ اعتنا نہیں ہو سکتا ——

تیرھویں آیتِ کریمہ

شانِ نزول —— مدینے کے منافقین کا تذکرہ آپ پچھلے اوراق میں پڑھ چکے ہیں کہ وہ رسولِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنے دلوں میں کیسا بغض و عناد رکھتے تھے اور اُوپر سے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کو کس طرح دھوکا دیتے تھے۔ نماز پنج گانہ میں بھی حاضر ہوتے اور مجاہدین کے لشکر میں بھی شریک رہتے تھے۔ دین کے معاملے میں ان کی یہ دوغلی پالیسی صرف اس لیے تھی کہ مسلمان انھیں اپنا سمجھیں اور کفار و مشرکین کے خلاف جو خفیہ منصوبے تیار کیے جاتے ہیں وہ انھیں معلوم ہو جایا کریں۔ کیونکہ اُوپر سے وہ اسلام اور مسلمانوں سے دوستی کا دم بھرتے تھے اور اندر سے دشمنانِ اسلام کے ساتھ اُن کا خفیہ ساز باز تھا۔

انہی منافقین کے ساتھ ابو عامر فاسق نام کے ایک انصاری کا بہت گہرا تعلق تھا۔ یہ غزوۂ خندق تک ہر لڑائی میں دشمنوں کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برسرِ پیکار رہا۔ جب غزوۂ خندق میں کفّار و مشرکین کو شکست ہو گئی تو وہ ملک شام کی طرف بھاگ گیا۔ اور وہاں سے اس نے مدینہ کے منافقین کو کہلا بھیجا کہ جب تک مُسلمانوں میں پھوٹ نہیں ڈالی جائے گی، پیغمبرِ اسلام کی عسکری طاقت کمزور نہیں ہو سکے گی۔

اس لیے تم لوگ مدینہ میں ایک علیحدہ مسجد تعمیر کرو اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف تخریبی سازشوں کے لیے اُسے ایک محفوظ اڈے کے طور پر استعمال کرو۔ مسجد کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے اس شبہے کی گنجائش بھی نہیں رہے گی کہ تم لوگ ان کی جماعتی قوت توڑنے کے لیے کوئی خفیہ مرکز بنا رہے ہو۔ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور اُن کی قوتِ جہاد کو پارہ پارہ کرنے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی حیلہ نہیں ہے کہ نماز کے

نام پر تم انھیں اپنی مسجد میں لاؤ اور رفتہ رفتہ پیغمبر کی طرف سے ان کے دلوں میں اس طرح کے شکوک و شبہات پیدا کر دو کہ ان کی والہانہ عقیدت میں فتور پیدا ہو جائے اور پیغمبر کے گرد جان دینے والوں کی جو ایک مضبوط فصیل کھڑی ہے وہ جگہ جگہ سے ٹوٹ جائے۔ اس نے یہ اطلاع بھی بھیجی کہ میں قیصرِ روم کے پاس جا رہا ہوں اور کوشش کر رہا ہوں کہ ایک ناقابلِ تسخیر سپاہ کے ساتھ مدینے پر چڑھائی کرا دوں تم لوگ سامانِ حرب کے ساتھ تیار رہنا۔

چنانچہ ابو عامر فاسق کے مشورے پر مدینے کے منافقین نے قُبا نام کے محلے میں چپکے سے ایک مسجد کی بنیاد رکھ دی۔ جب مسجد بن کر تیار ہو گئی تو منافقین کے چند سرغنے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا کہ مسجد نبوی شریف ہمارے محلہ سے کافی فاصلے پر ہے اس لیے ہم لوگوں نے اپنے محلے کے بوڑھوں اور معذور لوگوں کے لیے قریب ہی میں ایک مسجد کی تعمیر کر لی ہے۔ ہماری اور تمام نمازیوں کی دلی خواہش ہے کہ حضور اس مسجد میں تشریف لے چلیں اور دوگانہ پڑھ کر اس کا افتتاح فرما دیں تاکہ آپ کے قدموں کی برکت سے ہماری نمازیں خدا کے دربار میں درجۂ قبول کو پہنچ جائیں۔

ان کا یہ معروضہ تو صرف دکھاوے کا تھا ورنہ دراصل ان کی نیت یہ تھی کہ جب حضور اُس مسجد میں نماز پڑھ لیں گے تو اُسے سندِ قبول حاصل ہو جائے گی اور عام مسلمانوں کو بھی اس مرکز میں آنے سے کوئی عذر نہ ہوگا۔

حضور نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں تو ابھی تبوک کے سفر پر جا رہا ہوں جو روم کی سرحد پر واقع ہے وہاں عیسائیوں کے ساتھ ایک بہت بڑا معرکہ درپیش ہے۔ جب میں وہاں سے واپس آؤں گا تو ان شاء اللہ تمہاری مسجد میں چلوں گا۔ جب حضورِ اکرم سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دو مہینے پر غزوۂ تبوک کی مہم سے واپس لوٹے اور مدینہ

منورہ کے قریب پہنچے تو حضرت جبریلِ امین علیہ السلام یہ آیتِ کریمہ لے کر نازل ہوئے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ

اور وہ لوگ جنہوں نے ایک مسجد بنائی ہے تاکہ مسلمانوں کو ضرر پہنچائیں اور وہاں سے کفر پھیلائیں۔ اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالیں۔ اور اُس شخص کے واسطے اُسے کمین گاہ بنائیں جو پہلے سے خدا و رسول سے لڑ رہا ہے۔ وہ قسم کھا کر یقین دلائیں گے کہ مسجد کی تعمیر سے ان کا مقصد سوا بھلائی کے اور کچھ نہیں ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ آپ ہرگز ان کی مسجد میں نہ جائیں۔

اس آیتِ کریمہ کے نزول کے بعد حضور پیکرِ نور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو اپنے دو صحابی حضرت مالک ابن دخشم اور حضرت معن ابن عدی عجلانی کو حکم دیا کہ وہ مسجد ضرار ہے اُسے جا کر گرا دو اور جلا دو۔ (حوالہ کے لیے دیکھئے تفسیر درمنثور اور وفاء الوفاء)

تشریح اپنے دماغ کا دروازہ کھول کر دل کی طہارت کے ساتھ اگر آپ اس آیتِ کریمہ کا مطالعہ کریں گے تو وحیِ الٰہی کی روشنی میں عشق و ایمان کے بہت سارے حقائق آپ پر روشن ہوں گے۔

(۱) سب سے پہلی بات تو آپ پر یہ منکشف ہوگی کہ نبی کی طرف سے مسلمانوں کو بدعقیدہ بنانے کے لیے منافقین کھلی مخالفت کا راستہ نہیں اختیار کرتے بلکہ نماز اور اصلاح کے نام پر وہ مسجدوں کو اپنے خفیہ مشن کا مرکز بناتے ہیں۔ اور وہاں سے دین کے نام پر بے دین بنانے کی مہم چلاتے ہیں۔

(۲) دوسری بات یہ بھی معلوم ہوگی کہ وہ کھلے بندوں اس کا اظہار نہیں کرتے کہ

کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسلمانوں کو بد عقیدہ بنانا ان کے تبلیغی مشن کا مقصد ہے بلکہ قسمیں کھا کھا کر وہ یقین دلاتے ہیں کہ ہمارا مقصد صرف مسلمانوں کی اصلاح ہے۔

(۳) تیسری بات یہ معلوم ہوگی کہ نبی کی عظمت کو مجروح کرنے والا کوئی مشہور باغی فرد ان کی پُشت پر ہے اور مسلمانوں میں اس کی ایمان سوز تعلیمات پھیلانے کے لیے وہ مسجدوں کو کمین گاہوں اور چھاؤنیوں کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

(۴) چوتھی بات یہ معلوم ہوگی کہ مسجدوں میں تبلیغی مرکز کے قیام سے ان کا بنیادی مقصد مسلمانوں میں عقیدے کی تفریق پیدا کرکے ان کے درمیان پھوٹ ڈالنا ہے۔

(۵) پانچویں بات یہ معلوم ہوگی کہ اللہ کے نزدیک نہ ان کی مسجد، مسجد ہے اور نہ ان کی نماز، نماز! اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے پیغمبر کو وہاں جانے سے نہیں روکتا اور نہ پیغمبر اس کو منہدم کرنے اور جلانے کا حکم دیتے۔

(۶) چھٹی بات یہ معلوم ہوگی کہ مسجد اور نماز کے نام پر مسلمانوں کو ہرگز دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔ کیونکہ جب ان کی مسجد میں جانے سے خُدا نے اپنے پیغمبر کو روک دیا تو اہلِ ایمان کو ان کی اُس رسول دشمن تحریک میں شامل ہونا کیونکر درست ہوگا جس کی تکمیل کے لیے انھوں نے مسجد بنائی۔

(۷) ساتویں بات یہ معلوم ہوگی کہ جہاں بھی نبی کی بغاوت کے لیے کوئی مرکز قائم ہو چاہے قائم کرنے والے نام کے مسلمان ہی کیوں نہ ہوں، وفادار اُمّت پر لازم ہے کہ وہ پوری قوت کے ساتھ ان کی مخالفت کریں اور ان کے ناپاک مقصد کو بے نقاب کرکے مسلمانوں کو ان کے شر سے بچائیں۔

ان ساری تفصیلات کے بعد مجھے مسلمانوں سے صرف اتنا کہنا ہے کہ اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں نہایت ہوشمندی کے ساتھ وہ اُن تبلیغی مراکز کا جائزہ لیں جو کلمہ و نماز

کے نام پر آج مسجدوں میں چلائے جا رہے ہیں، انھیں صرف باہر ہی سے نہیں اندر سے بھی دیکھیں، اس رُخ سے بھی دیکھیں کہ کن مشہور گستاخوں کے چہرے ان کے پیچھے ہیں۔ پیشانیوں پر صرف سجدوں کا داغ ہی نہ دیکھیں کہ یہ نشان منافقین کی پیشانی پر بھی تھا بلکہ یہ بھی دیکھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کے دلوں کا کیا حال ہے؟

یہ بھی معلوم کریں کہ جانے والے حلقوں میں جاتے وقت تعظیم رسول اور عقیدت اولیاء کا جو جذبہ اپنے ساتھ لے کر گئے تھے وہ راستے میں کہاں لُٹ گیا۔ اُن آبادیوں کو بھی دیکھیں کہ جہاں ان کے پہنچنے سے پہلے دینی اتحاد تھا ان کے پہنچنے کے بعد وہاں مسلمانوں میں پھوٹ کیوں پڑ گئی۔

اس کے بعد فیصلہ کریں کہ ان حالات میں قرآن کی یہ آیتِ کریمہ ہم سے اور آپ سے کیا کہتی ہے۔ جب خاص عہدِ رسالت میں کفر و نفاق کا اتنا بڑا جال رچایا جا سکتا ہے تو آج کے دورِ فریب کا کیا پوچھنا؟ خدا ہماری حفاظت فرمائے۔